324

# تردید حاضر و ناظر

تالیف

مولانا عبدالرؤف رحمانی صاحب
ناظم اعلیٰ جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر (نیپال)

ناشر

ادارۃ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ، بنارس

# تردید حاضر و ناظر

تالیف

مولانا عبدالرؤف رحمانی صاحب
ناظم اعلیٰ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر (نیپال)

ناشر

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء
بالجامعۃ السلفیۃ بنارس، الہند

سلسلۂ اشاعت: (۲۲۴)

کتاب: تردید حاضر وناظر

تالیف: مولانا عبدالرؤف رحمانی

ناشر ادارۃ البحوث الاسلامیۃ، جامعہ سلفیہ بنارس

طباعت: سلفیہ آفسیٹ پریس، وارانسی

اشاعت سوم: ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۳ء

اشاعت چہارم: اکتوبر ۱۹۹۸ء

تعداد: گیارہ سو (۱۱۰۰)

ملنے کے پتے

۱- مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس ۲۲۱۰۱۰

۲- مکتبہ ترجمان، اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶

۲- دارالمعارف ۱۳، محمد علی بلڈنگ، بھنڈی بازار، بمبئی-۴۰۰۰۰۳

# فہرست عناوین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرض ناشر

عرض ناشر کی یہ سطریں جس نامور عالم دین، خطیب بے مثال، مدرس باکمال اور صاحب طرز مؤلف و محقق کی کتاب کے لئے لکھی جارہی ہیں ان کی شخصیت اور وقیع و مفید کارنامے مجھ جیسے بے بضاعت انسان کی تقریظ یا تعارف سے بے نیاز ہیں، فضیلۃ العلام حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی صاحب حفظہ اللہ وتولاہ نے نصف صدی تک جس طرح علم دین کی آبیاری کی، دعوت اسلام کو پھیلایا اور متلاشیان حق کی رہنمائی و تشفی کے لئے زبان و قلم کا استعمال کیا اس کا گواہ زمانہ ہے، اس موضوع پر کوئی اچھی کتاب سامنے آئے گی، تب علامہ رحمانی کے محاسن و کمالات کا پورا تعارف ہو سکے گا، یہاں اشارے پر اکتفاء ضروری ہے۔

زیر نظر کتاب ''تردید حاضر وناظر'' علامہ رحمانی حفظہ اللہ کے اولین دور کی تصنیف ہے، تیسری اشاعت میں اس کے صفحات ۱۸۸ ہیں، اور یہ

سطریں چوتھی اشاعت کے لئے لکھی جارہی ہیں۔

بریلوی عالم مولوی عتیق الرحمٰن دیگر بریلوی علماء کی طرح تعلی، تحریف ، کذب بیانی اور مغالطہ میں مہارت رکھتے تھے ،اپنے رسالہ ''خیر الانبیاء'' میں انہوں نے بڑی دیدہ دلیری سے قرآن کریم اور حدیث شریف کی غلط ترجمانی کر کے اہل بدعت کے خلاف شرع عقائد و نظریات کو ثابت کرنا چاہا تھا، لیکن محترم رحمانی صاحب کی بر وقت گرفت نے انہیں خاموش ہونے پر مجبور کر دیا، البتہ ان کے بعض ہمنواؤں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا تو جماعت اہلحدیث کی طرف سے اس کا مفصل جواب دیا گیا جسے جامعہ سلفیہ نے خوبصورت کتابت وطباعت سے آراستہ کر کے شائع کر دیا ہے۔

اس کتاب کو مصنف علام نے دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے، پہلا حصہ بریلوی عالم کے مزعومہ دلائل کی تردید سے متعلق ہے،اور دوسرے حصہ میں ان کے اعتراضات کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ علامہ رحمانی صاحب کی یہ تحریر میرے تعارف کی محتاج نہیں، مطالعہ کے دوران ناظرین خود محسوس فرمائیں گے کہ علامہ رحمانی نے

کس خوبی اور دقت نظر کے ساتھ بریلوی عالم کا جواب دیا ہے، عبارتوں میں اس کی خیانت و تحریف کے ثبوت پیش کئے ہیں، اصول حدیث کی باریکیوں کی روشنی میں بریلوی معتقدات کے بودے پن کو واضح کیا ہے، قرآن وحدیث کی عبارتوں اور منطقی دلائل سے اپنی ہر بات کو تقویت دی ہے، اور ان غلطیوں کو بے نقاب کیا ہے جن کو بریلوی فرقہ بار بار دہراتا ہے، یہ کتاب ہر حق پرست انسان کو مطمئن کرنے کے لئے کافی ہے، لیکن بریلوی فرقہ تعصب وعناد کی وجہ سے شاید اس سے مستفید نہ ہو سکے، لیکن اتمام حجت کے لئے حق بات پیش کرنا ضروری ہے، اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ کتاب کے مصنف کو اجر جزیل سے نوازے، آمین، والحمد للہ رب العالمین۔ ●●●

(ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری)

جامعہ سلفیہ، بنارس

۲۶/ جماذی الآخرة ۱۴۱۹ھ
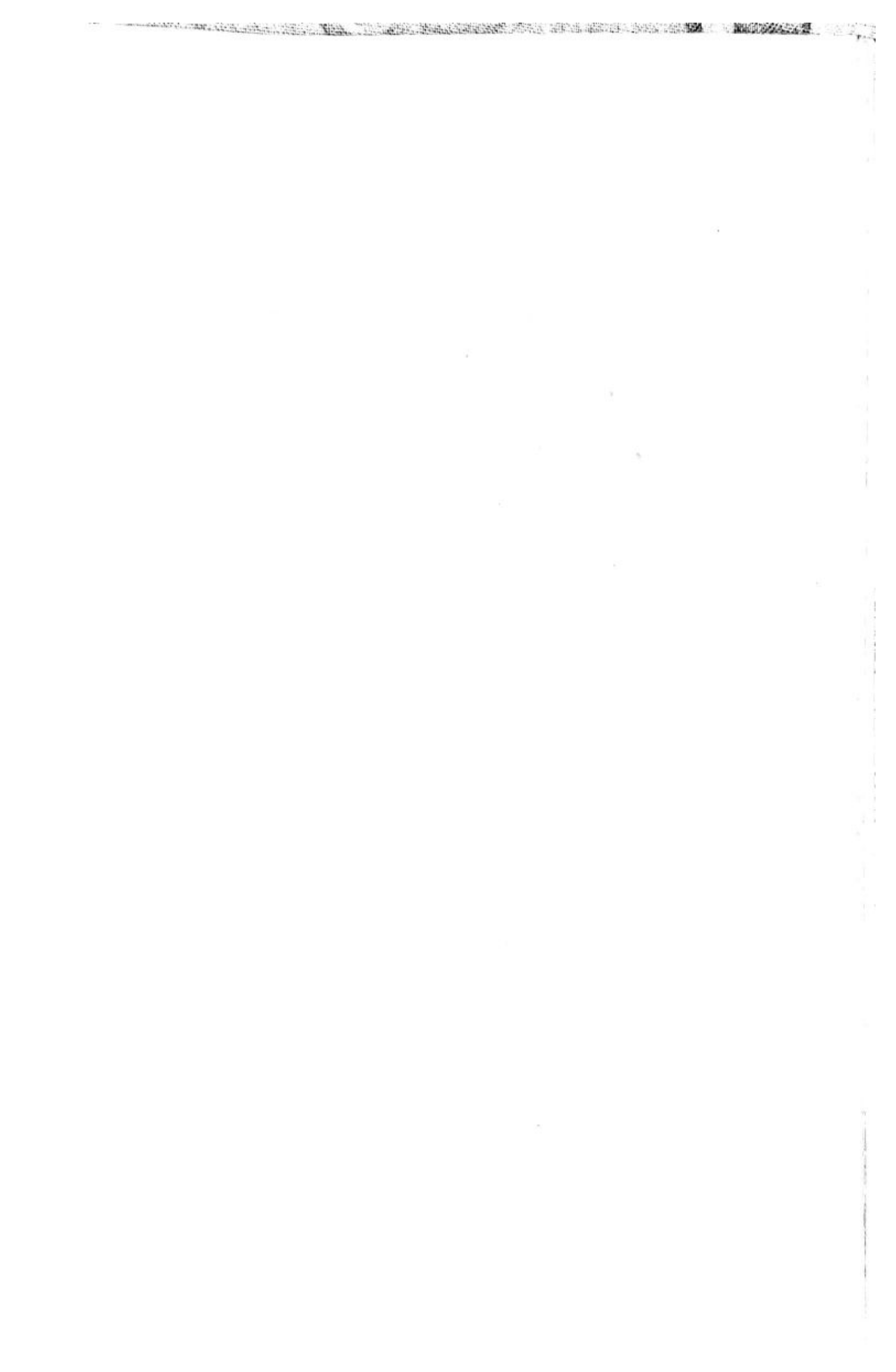
# عرض حال

مولوی عتیق الرحمن بریلوی کے ایک غلط عقیدہ کی تردید کے لئے یہ رسالہ لکھا گیا ہے اس کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ ستمبر ۴۶ء کی کسی تاریخ میں شروع ہوکر ۲۹ ستمبر کو ختم ہوا تھا۔ دوسرا حصہ ۱۴ اکتوبر ۴۶ء کو شروع ہو کر ۲۸ اکتوبر ۴۶ء کو تمام وکمال کو پہونچا، درمیانی وقفہ والد ماجد حاجی نعمت اللہ خاں صاحب بانی مدرسہ جھنڈا نگر کی شدید علالت کی وجہ سے پیش آیا تھا، ان کی خبر گیری وتیمارداری اور والدۂ رشید سلمہ کی بیماری کی وجہ سے مجھے مصروف رہنا پڑا۔ والد صاحب مرحوم مغفور اپنی پہلی علالت سے صحت پاکر وطن مالوف کو واپس ہوئے اور عید الاضحیٰ میں ہمارے درمیان بہ صحت تام موجود تھے۔ جب اس رسالہ کی تسوید کے بعد تبییض وصفائی کی باری آئی تو جامعہ ملیہ دہلی کی دعوت کے مطابق سفر دہلی پیش آیا۔ اس میں نومبر کا زمانہ صرف ہوا۔ راستہ میں بھائی عبد الرحیم سلمہ کے پاس بھی ٹھہرنا پڑا جو لکھنؤ میں زیر علاج تھے۔ دہلی اور لکھنؤ کے سفر سے واپس آتے ہی جناب والد صاحب بسلسلۂ کاروبار بنارس تشریف لے گئے۔ وہاں دوبارہ طبیعت ناساز ہوئی اور اسی حالت میں گھر واپس تشریف لائے نومبر کا آخری ہفتہ اور دسمبر کا پہلا اور دوسرا ہفتہ ان کی شدید علالت کا زمانہ تھا۔ ایک ہفتہ حکیم

مقبول احمد صاحب کے زیر علاج رہنے کے بعد گونڈہ جاکر ڈاکٹر جگناتھ صاحب کا علاج شروع کیا۔ لیکن یہ مرض اب کی دفعہ مرض الموت ثابت ہوا۔ آخر ۱۸ دسمبر سنہ ۱۹۴۶ء کو ان کا ارتحال پر ملال واقع ہو گیا۔ میری زبان نے دل کا ساتھ دیتے ہوئے یوں کہا ؎

من شاء بعدک فلیمت   فعلیک کنت احاذر

اب تو اپنی ذمہ داریوں کے بوجھ اور اپنی کمزوریوں و نااہلیت پر حضرت فاطمہ رضؓ کا یہ شعر پڑھتا ہوں ؎

صبت علی مصائب لو انہا   صبت علی الایام صرن لیالیا

خدائے تعالیٰ ہمارے مرحوم و مغفور والد ماجد کو جنت الفردوس نصیب فرمائے (آمین) یہ اس علاقہ میں ایسی نیک ہستی تھی کہ جن کی مثال سے اس وقت یہ علاقہ خالی ہے ان کے اخلاق و محاسن پر الگ ایک رسالہ لکھوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

الغرض ہماری یہی مصروفیات و ترددات تھیں جن کے باعث یہ رسالہ باوجود مکمل ہونے کے شائع ہو کر منظر عام پر نہ آسکا۔ اب بعض حضرات کی یاد دہانیوں کے بعد اس پر نظر ثانی ہو رہی ہے۔ حق تعالیٰ اس کو مقبول انام اور نافع خلائق بنائے (آمین) والسلام

ناچیز
عبدالرؤف رحمانی
ناظم مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر (نیپال)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تردید اکاذیب

مجھ کو اس رسالہ کے لکھنے کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر نہ ہونا اتنا کھلا ہوا مسئلہ تھا کہ اس پر استدلال قائم کرنے کی نوبت نہ آنی چاہیئے۔ مگر مولوی عتیق الرحمٰن بریلوی کے رسالہ " خبر الانبیاء " میں حقائق پر ایسے پردے ڈالے گئے ہیں اور مغالطے پیدا کئے گئے ہیں جس سے عوام دھوکہ کھا سکتے ہیں، اس لئے ان کی غلط بیانیوں کی تردید کے لئے یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ منصف مزاج ناظرین توجہ سے مطالعہ فرما کر راہِ حق پر چلنے کی سعی فرمائیں گے۔ واللہ یھدی السبیل۔

شروع میں مولوی عتیق الرحمٰن نے جابجا اپنے دو ایک واقعات کو اچھی خاصی غلط بیانی کے ساتھ مرتب فرمایا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان تعلی آمیز واقعات سے دلائل و مسائل کو کیا علاقہ ہے؟ اور فخر و کذب سے نفس استدلال کے لئے کون سی روشنی اور کس راہ سے آسکتی ہے؟ اِنّا لِلّٰہ الخ

**ملاّجی:** زبان اور قلم سے جو چاہیں کہہ ڈالیں مگر اتنا یاد رکھیں کہ ایک دن ایسا آئے گا جس میں آپ کی زبان درازیوں اور دریدہ دہنیوں کا بدلہ لیا جائے گا۔ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے جس میں حضورؐ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا کف علیك ھٰذا کہ " زبان کو قابو میں رکھو " پھر فرمایا کہ " لوگوں کے

جہنم میں روسیاہ ہو کر داخل ہونے کا ایک بڑا سبب زبان درازیاں اور لغو طرازیاں ہیں،، (مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل ثانی)

آپ نے استاذنا حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب ڈوکمی سے اپنے مناظرہ کا بیان عبث فرمایا ہے۔ اس مناظرہ میں راقم الحروف بھی موجود تھا۔ جس طرح آپ اس محفل میں حواس باختہ تھے شاید کبھی نہ ہوئے ہوں۔ تجربہ کار مناظر کے جواب میں آپ بدحواسی سے وہ وہ باتیں منہ سے نکالتے تھے کہ کوئی ادنیٰ طبقہ کا آدمی بھی اس قسم کی باتوں کو جائز نہ رکھے گا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ فجر کے فرضوں کو پڑھتے وقت کسی آدمی کے سنت پڑھنے کا جو معارضہ مولانا نے پیش کیا تھا اس کے جواب میں آپ نے ان سنتوں کو زنا سے تشبیہہ دی تھی اور عالم خبط الحواسی میں فرمایا تھا کہ کوئی زنا کر بیٹھے تو ہم کیا کریں ،، پس ؎

تم وہی سوختہ ساماں ہو تمہیں یاد ہے کہ نہیں

**علامہ صاحب** : میں آپ کے مناظرہ کی اس روداد کا شاہد ہوں اور اس شہادت حقہ کو حلف باللہ کے ساتھ مؤکد کر سکتا ہوں ، بلکہ اگر آپ انکار کریں تو میں آپ سے مباہلہ شرعیہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ کچھ ہمت آپ میں ہے تو سامنے آیئے۔ ہاں اتنا یاد رکھئے گا کہ مباہلہ مریدوں کا گھر نہیں ہے ہوش و حواس سنبھال کر سامنے آجایئے ورنہ خاموش کہ ایں شور و فغاں چیزے نیست۔

آگے چل کر حجۃ الاسلام مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی مدظلہ اور حافظ الحدیث مولانا عبدالتواب صاحب علی گڈھی کی تلسی پور کی کسی تقریر

پر آپ نے نوٹس لینے کا جس بے تمیزی سے ذکر کیا ہے اس کو پڑھ کر بے حد صدمہ ہوا یہ حضرات سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیدا و شیفتہ ہیں۔ سنت پر حملہ کرنے کا الزام ان پر سرتاپا غلط ہے۔ کیا ہی سچ ہے ؎

کس دن نہ تہمتوں کو تراشا کئے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے

آپ نے اجمالاً بھی کچھ نہ بتایا کہ ان کا سنت پر کیا حملہ تھا؟ ورنہ تفصیل سے جواب لکھا جاتا۔ خیر تہذیب کے رنگ کے عنوان سے آپ نے ایک واقعہ میری ذات کے متعلق لکھ ڈالا اور اس کو بھی اپنے کامیاب مناظروں میں شامل کر ڈالا۔

ناظرین کرام! یہ قصہ صرف اتنا ہے کہ میں اپنے دو بھائیوں کی شادی خانہ آبادی کے سلسلہ میں اکہرا گیا ہوا تھا اور وہاں کے لوگوں نے مولوی عتیق الرحمن کو بھی دعوت دے رکھی تھی۔ کھانا کھا کر مولوی صاحب جانے لگے تو ان سے کچھ لوگ ان کے "حاضر و ناظر" کے غلط مسئلہ پر بلا کسی خاص نظم کے گھر کا مولوی سمجھ کر بے تکلف باتیں کرنے لگے ظاہر ہے کہ یہ نہ مجلس مناظرہ تھی نہ میں ان کے مدمقابل تھا، نہ میں نے ان سے کوئی کلام کیا۔ اس کے دو بڑے سبب یہ تھے کہ میں اپنی روانگی کی تیاری اور دو جگہ سے انتظامی امور کے طے کرنے اور لین دین کر کے طرفین کے آدمیوں کو مطمئن کرنے کے سلسلہ میں اپنا وقت خالی نہیں دیکھتا تھا۔ اول تو وقت دو بجے کا تھا اور سفر دور دراز کا قطع کرنا تھا دوسرے میں یہ نامناسب سمجھتا

تھا کہ کوئی بھی شخص جس کو مدعو کر کے گھر بلایا گیا ہے اسے بے محل چھیڑ کر پریشان کیا جائے۔ میں نے محض انھیں دو وجوہ سے مولوی صاحب کو اپنا مخاطب نہیں بنایا۔ لیکن مولوی صاحب کی دیانت دیکھئے کہ انھوں نے میری اس رواداری و علیحدگی کو اپنی ایک تازہ فتح کی داستان بنا کر بالکل بے محل اپنے رسالہ "خیرالانبیاء" میں درج فرمایا۔ بے محل اس لئے کہ آپ اپنے رسالہ میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ "گفتگو کا یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ آپ کے گھر کوئی دعوت کھانے جائے اور آپ اس سے مناظرہ ٹھان لیں" معلوم ہوا کہ آپ بھی دستخط کرتے ہیں کہ اس خاص ماحول میں گفتگو کرنا بے قاعدہ تھا۔ پس جبکہ میں نے گفتگو نہیں کی تو آپ کے تسلیم کردہ اصول کے مطابق قاعدہ پر میں قائم رہ گیا، تو پھر سمجھ میں بات نہیں آتی کہ آپ آگے چل کر اس کو شکست ہی نہیں بلکہ شکست فاش سے کس طرح تعبیر فرماتے ہیں "این چہ بوالعجبی است"

مولوی صاحب! ذرا اس منطق کو حل کیجئے۔ اگر آپ سے گفتگو کرتے تو اسے بے قاعدگی، بداخلاقی، بدتہذیبی کی زد میں لے آتے ہیں۔ اور انہیں امور کا لحاظ کر کے آپ سے گفتگو نہ کی جائے تو شکست کے لقب سے سرفراز کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہ کیا دیانت داری اور کیسی نکتہ سنجی ہے؟ کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے ؎

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی

بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر پائیں۔

مولانا! میں تو آپ کے تجویز کردہ اور پسند کردہ اصول کے مطابق خاموش رہ کر آپ کے حملوں سے نہ بچ سکا تو میں یہ شعر آپ کی نذر کرتا ہوں ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

یہاں تک لکھنے کے بعد اب میں حصہ اول میں مولوی صاحب کے دلائل مزعومہ پر نظر کروں گا۔ اس کے بعد حصہ دوم میں میں اپنے پیش کردہ دلائل سے (جو جوابات "حاضر وناظر" میں شائع ہو چکے تھے) مولانا کے اعتراضات کو دور کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ اقول وباللہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔
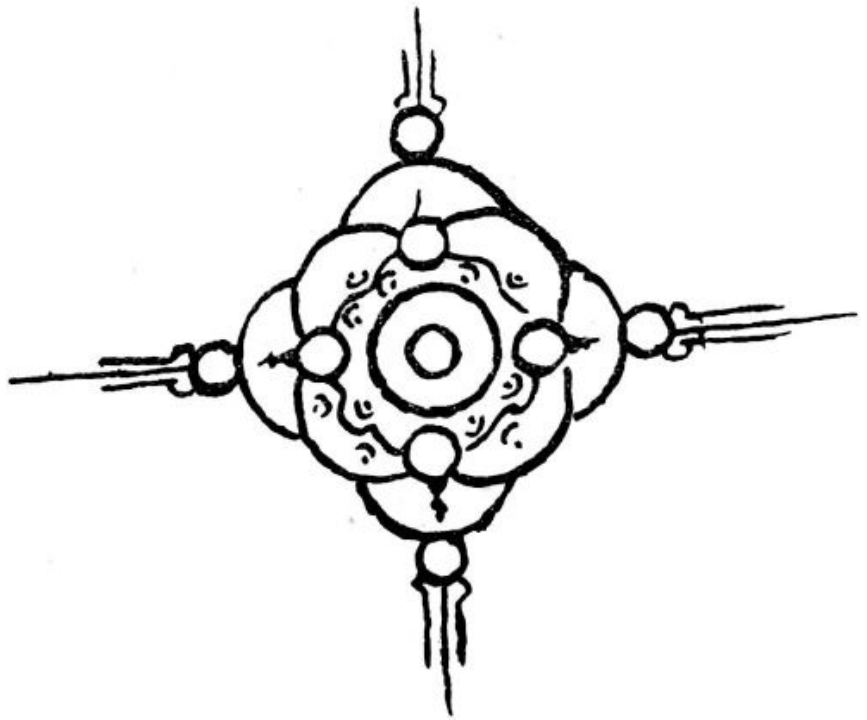
# رسالہ خیر الانبیاء کے اسقام لفظی ومعنوی

## ایک نظر میں

| | |
|---|---|
| نحوی غلطی [١] | مدارک کی عبارت کا نہ سمجھنا اور لکھنا لا اعلم کا اعراب زبر ہے۔ کلام کی تعریف کا نہ سمجھ سکنا۔ |
| صرفی غلطی [٢] | صدوق بروزن فعول مبالغہ کے وزن کا نہ سمجھنا اور اس کا غلط ترجمہ کرنا۔ |
| منطقی غلطی [٣] | وقتیہ کو دائمہ سمجھنا مشروطہ عامہ کو مطلقہ کے معنی میں لینا جزئی کو کلی سمجھنا۔ حداوسط کی تکرار کو نہ سمجھنا۔ |
| علم معانی کی غلطی [٤] | انسان کے لئے سمیع وبصیر کے اطلاق اور اللہ تعالیٰ کے سمیع وبصیر ہونے کو یکساں سمجھنا۔ |
| تاریخی غلطی [٥] | نزول آیت تیمم کو واقعۂ افک عائشہ رضؓ سے متعلق بتلانا اور ابن جریر طبری کو طبرانی لکھنا۔ |
| علم فلسفہ کی غلطی [٦] | ذہول ونسیان کی تعریف غلط کرنا |
| علم کلام کی غلطی [٧] | اللہ تعالیٰ کی صفت سمع وبصر کو انسان کی طرح سمجھ کر معارضہ کرنا۔ |
| علم اسماء الرجال کی غلطی [٨] | سدی جیسے متہم بالکذب اور مطروح راوی |

کے حوالہ سے عبارت نقل کرنا اور مجہول اور لین وصدوق کے درجات نہ سمجھنا۔

**علم اصول فقہ کی غلطی** امر کو وجوب کے لئے متعین سمجھنا۔

**اغلاط کتب** الآ صہ ۱۳ پر حذف ہے۔ اللہ اور اس کی ,, ماں ،، غلط ہے صہ ۱۳ مسلک الختام صہ ۲۰ غلط ہے والتالی کو والثانی لکھنا صہ ۲۲ غلط ہے۔ علی انفسھم صہ ۱۴ غلط ہے وغیر ذالک

**اغلاط حوالہ** ابوداؤد و ابن ماجہ میں وہ حدیث نہیں جس کا حوالہ صہ ۱۹ پر دیا ہے۔ خازن کے اکثر حوالہ جات غلط ہیں

**اغلاط ترجمہ** در قبر مثال دے۔ واؤ حالیہ کا ترجمہ نہ سمجھنا۔

**اغلاط تعلیل** یعنی مسائل و احکام کی تعلیل و توجیہ بھی علامہ نے غلط کی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تیمم کے مسئلہ میں، زہر خورانی کے مسئلہ میں، قیام کے مسئلہ میں۔

**تناقض عبارات** کبھی کل غیب کا اقرار کرتے ہیں کبھی بعض کا، کبھی حضورؐ کے لئے قدرت مانتے ہیں۔ کبھی انکار کرتے ہیں۔ رسالہ ,, خیر الانبیاء ،، میں لکھتے ہیں۔ عالم اجسام، عالم ارواح، عالم امر عالم امکان، عالم ملائکہ، عرش و فرش، غرض ہر چیز پر حضورؐ کی نظر ہے اور اگلے پچھلے سارے واقعات پر اطلاع رکھتے ہیں۔ ما کان وما یکون کا علم تھا اگلے پچھلے تمام امور کی خبر تھی۔ اس کے برعکس لکھتے ہیں حضورؐ

کو بعض عیب معلوم تھا۔ کل معلومات کو ہم حضرت کی صفت نہیں بناتے ہیں۔ پھر تصرف وقدرت کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ متصرف ہیں، فیض رساں ہیں، مربی ہیں۔ اعمال امت دیکھتے ہیں، زمین کے اطراف میں آتے جاتے ہیں۔ جنازہ میں حاضر ہوتے ہیں وغیرہ عالم علوی اور سفلی، زمین و آسمان میں ہر جگہ تصرف وقدرت رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس لکھتے ہیں کہ حضور کے لئے ہم قدرت نہیں مانتے۔

**خیانت عبارات** کنز بیونت والی حرکت سے ساری کتاب پڑ ہے اگر یہی چیز نہ ہوتی تو ان کا مدعا ہرگز ثابت نہ ہوتا چنانچہ ورق بہ ورق خیانتوں سے یہ کتاب لبریز ہے۔

**علامہ کی اُردو دانی** اکبر اکی جہلا پارٹی ص۲ جو علم عربی سے بھی قطعاً ناواقف ہے۔ اہل علم کے مقابلے کے لئے تیار رہتی ہے۔ جن کے مولوی کی حیا کا یہ عالم ہے کہ مرمر کے جیتے ہیں ص۲ جہلا پارٹی غلط ہے جاہل پارٹی صحیح ہے جن کا مرجع قریب اہل علم ہیں لہذا مولانا اپنے ہی قلم سے اپنے ہی اہل علم کو بے حیا بنا گئے اگر اس طرح لکھتے اور ان کے مولوی کی حیا کا یہ عالم ہے تو اکبر اکے علماء مراد ہو سکتے تھے مگر تصرف قدرت ہے کہ حق نے تیر کا رخ ان ہی کی طرف واپس کر دیا۔ دیکھو اس کو اس رسالہ میں ص۳۵ اس بحث کو اس رسالہ میں لکھنا چاہیئے تھا۔ لکھتے ہیں ایک ہے جہل ایک نسیان ایک ذہول پھر اسم فاعل بنانے لگتے ہیں تو اس طرح لکھتے ہیں ایک قرآن سے جاہل دوسرا ناسی تیسرا ذہول جو

بالکل غلط ہے مگر تقاضائے اہل علم کے علاوہ رفع شکوک اور غلط فہمی دور کرنی تھی ص۲۴ یہاں لکھنا چاہئے کہ شکوک اور غلط فہمی دور کرنی تھی لیکن آپ نے رفع بڑھا کر خبط مطلب کر دیا کیوں نہ ہو سلطان المناظرین ہیں۔

## علامہ کی گالیاں

آپ نے درجنوں شریفانہ و عالمانہ گالیاں اپنے رسالہ میں دی ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔ وہابی مُلّا ناجائز روٹیاں توڑتے ہیں ص۳ یہ ملّا حشرات الارض کیڑوں مکوڑوں کی طرح سے ہیں ص۳ وہاب گڈھ ص۹ رگ وہابیت جہاں فنا ہوتی ہے اسے ہضم کر جاتے ہیں ص۱۱ وہابیہ جہل مصطفےٰ ثابت کرتے ہیں ص۱۴ (نعوذ باللہ من ذالک) مولوی عبدالرزاق صاحب مرحوم (استاذ مولوی عتیق الرحمٰن بریلوی) کی تحریک جہالت و بیدینی پر مبنی ہے ص۲ مؤلف کی بوکھلاہٹ جہالت ہے ص۲۱ الٹا سبدھا درس نظامیہ پڑھ لینے سے عقل نہیں آتی ص۲۱ سنی عالم کی جوتیاں سیدھی کرو ص۱۹ دروغ گو ص۲۶ لامذہبیت کا جھولا ص۲۷ تحریف قرآن سے جہنم کے کندے ہوں گے ص۲۹ پھر کہتا ہے ص۳۰ اکر ہراکی جہلا پارٹی ص۳۰ کبھی کچھ بکتا ہے کبھی کچھ ص۳۱ ایسے اجہل کو معلم بنایا ہے ص۳۱ تمہارے اندھے نے چاند نہیں دیکھا ص۳۳ اندھے وہابیو! ص۳۳ خباثت کا اظہار ص۳۴ دہریوں کے بھی کان کاٹ ڈالے ص۳۵ بریلی کے پاگل خانہ جاؤ یا علاج کراؤ ص۳۶ وہابیوں کی شیطنت و شیطانی شبہات ص۳۹ الٹی کھوپڑی ص۳۶ مؤلف کی بد دماغی ص۴۱ اور اندھی

عقل صا۴ نراجاہل ہے ص۴۳ وہابیوں کی بے ادبی ص۴۵ (معاذ اللہ) ایک عقل شخص ص۴۵ اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے عبارت ہضم کر گیا ص۴۵ نعوذ باللہ نہ تفسیر جاننے والا ہے نہ قرآن وحدیث میں تمیز ص۴۵ یہ ایمان کے اچکے ایمان کو لوٹتے ہیں ص۴۶ یہ فتنۂ عظیم ہیں ص۴۶

علّامہ صاحب آپ کی ان ۳۵ گالیوں اور تراشیدہ القاب کے مقابلے میں ہماری طرف سے یہ شعر عرض ہے ؎

تم شوق سے کوسو مجھے میں تم کو دعا دوں
جو میرا برا چاہے خدا اس کا بھلا کر

**ایک ضروری تنبیہ** فتنہ حاضر وناظر سے متعلق یہاں ایک ضروری بات عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ چونکہ اس مسئلہ کے ظاہری پہلو میں کہ حضور کی نظر تمام عالم پر ہے بظاہر حضور کی تکریم وتعظیم نظر آتی ہے اور آپ کے ایک اعلیٰ درجہ کے کمال کا ثبوت معلوم ہوتا ہے اس لئے عام طور پر خواص کالعوام اور عوام کالانعام محبت وعقیدت کے جوش میں بہت جلد اس فتنہ کے شکار ہو جاتے ہیں اور پھر ناواقفی کے سبب یہ عقیدہ ان کے دل میں جم جاتا ہے کہ جو علماء دین دلائل کی روشنی میں اس افراط وغلو کی تردید کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی وروحی ونفسی کے حقیقی منصب کو بیان کرتے ہیں ان سے متنفر ہو جاتے ہیں اور اس کو توہین رسول قرار دے کر ان کو "وہابی لہابی وغیرہ" کہتے ہیں اور دشمن رسول سمجھنے لگتے ہیں۔

ناظرین کرام! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف اور واقعی کمالات کا انکار بے شک آپ کی تنقیص اور انتہا درجہ کی بے ایمانی ہے۔ ہمارے نزدیک آپ کی اہانت اور شان اقدس میں ادنیٰ سی ادنیٰ گستاخی بھی کفر وارتداد کا باعث ہے لیکن جس طرح آپ کی تنقیص و توہین کفر ہے اسی طرح کتاب اللہ و سنت رسول کے خلاف اہل بدعت کے غالیانہ عقائد جو آپ کی شان میں غلو و افراط کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں ان کی تردید اور ابطال بھی عین ایمان اور فریضۂ اسلام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ـــ

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسی ابن مریم۔ تم مجھ کو حد سے نہ بڑھانا جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ کیا تھا۔

ہم نے قرآن و حدیث کے صاف و ستھرے دلائل حقّہ کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور خدا کا شکر ہے کہ ہم پورے طور پر کامیاب ہوئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہ تھے۔ پس ہماری یہ تحریر امر غیر ثابت کی نفی پر مشتمل ہے جو ہرگز وجہ تنقیص کسی درجہ میں بھی قرار نہیں پا سکتی۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذالک۔ ہم تو وہ ہیں جو ان دونوں شعروں پر اپنا عقیدہ اور عمل رکھتے ہیں ـ

| | |
|---|---|
| ما بلبلیم نالاں گلزار ما محمدؐ | ما نرگسیم حیراں دیدارِ ما محمدؐ |
| قمری بہ سرو نازد بلبل بہ گل فریبد | ما عاشقیم بے جاں دلدار ما محمدؐ |

# بحث حاضر و ناظر

**صاحب رسالہ خیر الانبیاء کا پہلا مغالطہ اور اس کا جواب**

النّبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم۔ (سورہ احزاب)

کی آیت لکھ کر آپ نے ترجمہ کیا ہے کہ "نبی مسلمانوں کے جان کے زیادہ قریب ہیں اس لئے آپ حاضر و ناظر ہوئے۔"

**الجواب:** اس کی تردید کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ مولوی صاحب کا عقیدہ بتلا دیا جائے۔ مولوی صاحب اور ہر بریلوی کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ تمام عالم میں حاضر و ناظر ہیں جیسا کہ مولوی صاحب بھی اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ "حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدوسیہ والا تمامی عالم کی سیر کرے اور تمام کو دیکھے"

دوسری جگہ لکھتے ہیں "عالم اجسام، عالم ارواح، عالم امر۔ عالم امکان، عالم ملائکہ، عرش و فرش غرض ہر چیز پر حضور کی نظر ہے"

(رسالہ خیر الانبیاء صفحہ ۱۴)

**اب سنئے:** اول تو آیت کا ترجمہ مفسرین نے نزدیک تر نہیں لکھا چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو تمام اہل حدیث و احناف

کے نزدیک بالاتفاق ہندوستان میں سرتاج مفسرین ہیں وہ اس کا ترجمہ "سزاوار تر" لکھتے ہیں۔ کہ نبی مسلمانوں کے معاملات میں ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ تصرف کا حق رکھتے ہیں۔ اسی طرح شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین صاحب نے بھی نزدیک تر کا ترجمہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ لکھا ہے کہ نبی مومنین کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ ان مفسرین و مترجمین کے ترجمہ کے مطابق آیت کو حاضر وناظر کے مسئلہ سے ادنیٰ لگاؤ بھی باقی نہیں رہ جاتا۔ تفسیر خازن مصری وتفسیر مدارک مصری جلد سوم میں بھی اس کی تفسیر احق و الیق لکھا ہے جو ٹھیک شاہ ولی اللہ صاحب کا ترجمہ ہے۔ معلوم نہیں ان مشہور مفسرین ومعتبر تراجم سے آپ کیوں چشم پوشی فرماتے ہیں۔ مولانا کو یہ بھی علم نہیں کہ کسی آیت کے لفظی ترجمہ میں جب اختلاف ہو تو مفسرین کے ترجمہ سے سند لائی جاتی ہے۔ کسی رسالہ کا حوالہ ایسے موقع پر کارآمد نہیں ہوتا۔ بہرحال صحیح ومعتبر تفاسیر و تراجم کی رو سے آپ کا استدلال غلط ہو جاتا ہے۔

دوم تھوڑی دیر کے لئے ہم اس کا ترجمہ اگر قریب تر تسلیم کرلیں تو بھی یہ آپ کے مدعا کے لئے ہرگز مثبت نہیں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہی ہوگا کہ نبی مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ قریب ہوں گے اور چونکہ جان ہر عضو میں حاضر ہے اس لئے نبی کریمؐ بھی ہر مومن کے پاس حاضر وناظر ہوئے۔ دعوئے عام کے لئے دلیل خاص مفید اور مثبت مدعا نہیں ہوتی اور یہاں معاملہ ایسا ہی ہے کہ آنحضورؐ کا حاضر وناظر ہونا زیادہ سے زیادہ

مومنین و پختہ کار مسلمین کے پاس آپ ثابت کر سکتے ہیں۔ آپ کی اس دلیل سے کافروں، یہودیوں، نصرانیوں، فاسقوں، گنہگاروں اور زمین و آسمان و تمام نباتات و جمادات و حیوانات وغیرہ وغیرہ کے پاس حاضر ہونا ثابت نہیں ہوتا حالانکہ آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تمام عالم امر، عالم امکان، عالم ملائکہ اور عرش و فرش غرض ہر جگہ حضور حاضر و ناظر ہیں۔ پس اس آیت سے آپ کا دعوئے عام ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک شخص دعوی کرے کہ اکبر ہرا کے تمام لوگ تلسی پور گئے ہیں اور دلیل میں کہے کہ اکبر ہرا کے چودھری احمد حسین کو میں نے تلسی پور میں دیکھا ہے تو کیا اس دلیل خاص سے اس کا دعوئے عام ثابت ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح آپ کی دلیل خاص سے آپ کا دعوئے عام ہرگز ثابت نہیں ہوگا۔ اور دعوئے عام کے لئے دلیل خاص کے غیر مفید ہونے کا فیصلہ تو آپ بھی اپنے رسالہ میں کر چکے ہیں (خیر الانبیاء صفحہ ۲)

بہر حال سر دست اس دلیل خاص کو اپنی جیب میں سنبھال کر رکھئے اور اپنے تلسی پور رہی کی دنیا اور حلقۂ مریداں میں مزے سے سنایئے۔ اور سبحان اللہ سبحان اللہ کی داد لیجئے لیکن اس میدان علم میں تو بس خاموش رہئے اور سعدیؒ کا یہ شعر پڑھ کر خود کو تسلی دے لیجئے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ‏ ‏ ‏ ‏ که جاہا سپر باید انداختن

**دوسرا مغالطہ اور اس کا جواب**

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (پ ۱۷ ع ۷)

ہم نے تم کو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

پھر خدا دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ ورحمتی وسعت کل شئ
اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ پس حضورؐ جہان کے لئے
رحمت ہیں اور رحمت عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔ لہذا حضور علیہ السلام
جہانوں کے محیط ہوئے۔" (صد ۹)

**الجواب:-** معلوم ہوتا ہے کہ "رحمت عالم کو گھیرے ہوئے ہے" کی عبارت میں جو لفظ رحمت ہے اس سے مراد آپ رسول
اکرم کا وجود پاک لیتے ہیں، ورنہ استدلال بے معنی ہو جائے گا اور وجہ
ملازمہ باقی نہ رہے گی اب ذرا سمجھئے کہ لفظ رحمت قرآن مجید میں چودہ۱۴ معنی
میں استعمال ہوا ہے مگر کسی جگہ رحمت کے یہ معنی نہیں لئے گئے۔ علامہ
جلال الدین سیوطی کا حوالہ آپ نے اکثر دیا ہے۔ خود "رحمت" کے بارے
میں ان کی تفسیر کیا ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمانے کے لئے اتقان فی علوم
القرآن ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ اسلام، یختص برحمتہ من یشاء اس آیت میں رحمت کے معنی اسلام کے ہیں
۲۔ ایمان، اتانی رحمۃ من عندہ اس آیت میں رحمت کے معنی ایمان کے ہیں
۳۔ جنت، ففی رحمۃ اللہ ھم فیھا خلدون " " " جنت کے ہیں
۴۔ بارش، بشریٰ بین یدی رحمتہ " " " بارش کے ہیں
۵۔ نعمت، لولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ " " " نعمت کے ہیں
۶۔ نبوت، ام عندھم خزائن رحمۃ ربک " " " نبوت کے ہیں

**نوٹ:-** رسالہ کے صد ۲۷ میں آپ نے بھی رحمت کے معنی وحی نبوت کے

تفسیر بیضاوی کے حوالہ سے لکھا ہے ۔

۷۔ قرآن، بفضل اللہ وبرحمتہٖ اس آیت میں رحمت کے معنی قرآن کے ہیں

۸۔ رزق، خزائن رحمۃ ربی 〃 〃 〃 روزی کے ہیں

۹۔ مدد وفتح، او اراد بکم رحمۃ 〃 〃 〃 مدد وفتح کے ہیں

۱۰۔ عافیت، او ارادنی برحمۃ 〃 〃 〃 عافیت کے ہیں

۱۱۔ مؤدت، رافۃ ورحمۃ 〃 〃 〃 مؤدت کے ہیں

۱۲۔ کشائش، تخفیف من ربکم ورحمۃ 〃 〃 〃 کشائش کے ہیں

۱۳۔ مغفرت، کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ 〃 〃 〃 مغفرت کے ہیں

۱۴۔ عصمت، لاعاصم الیوم من امر اللہ الامن رحم 〃 〃 عصمت کے ہیں

اَلحَمدُ لِلّٰہ ! میں نے اس کو تفسیر صحیح سے ثابت کر دیا کہ رحمتی سے مراد نبی اللہ نہیں ہو سکتے کیونکہ قرآن میں لفظ رحمت چودہ معنوں میں مستعمل ہوا ہے اور کسی مفسر نے رحمت کا ترجمہ نبی یا رسول نہیں کیا ۔ پس رحمتی یا رحمۃ اللہ کے معنی بھی نبی اللہ یا رسول اللہ کے نہیں ہو سکتے لہٰذا بنا بریں نبی اللہ کا ہر جگہ اور تمام عالم کے وسیع اور محیط ہونا بھی ثابت نہیں ہو سکتا ۔ بہر حال آیت کا مطلب صاف صاف یہ ہے کہ حضور تمام جہان کے لئے نعمت بنا کر بھیجے گئے ہیں ۔ رحمت کا ایک ترجمہ نعمت ہے جو اس جگہ بالکل درست ہے اور دوسری آیت ورحمتی وسعت میں رحمت سے مراد رزق وبخشش ہے، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری روزی وبخشش ہر جگہ جاری ہے اور تمام عالم میں پھیلی ہوئی ہے ولا شک فیہ ۔

اب اس صحیح ترجمہ و تفسیر کی رو سے اس آیت کو حاضر ناظر کے مسئلہ سے ادنیٰ علاقہ بھی نہیں باقی رہ جاتا ۔ کما ھو ظاھر ۔

## ایک منطقی غلطی

اب تک یہ گفتگو اس حیثیت سے تھی کہ رحمت سے مراد دونوں جگہ دو چیزیں ہیں چنانچہ صغریٰ میں اور معنیٰ ہیں اور کبریٰ میں اور ۔ لیکن اگر ہم لفظ رحمت کی بحث سے قطع نظر کر یں تو مولانا کا مغالطہ صاف صاف اس طرح واضح ہو گا کہ ہم مولانا کی پیش کردہ آیتوں کی شکل اول بنا لیں اور اس کا صغریٰ کبریٰ اس طرح قائم کریں کہ حضور رحمت عالم ہیں (صغریٰ) اور رحمت اللہ ہر جگہ ہے (کبریٰ) اس سے ہرگز یہ نتیجہ برآمد نہ ہو گا کہ رسول اللہ ہر جگہ موجود ہیں ۔ ہاں اگر آیت کریمہ اس طرح ہوتی کہ رسول رحمتِ عالم ہیں اور رحمت عالم ہر جگہ موجود ہے تو بلا شبہ یہ نتیجہ نکلتا کہ رسول ہر جگہ موجود ہیں کیونکہ حد اوسط اس صورت میں متکرر ہے لیکن جب مولانا کی دلیل میں حد اوسط متکرر نہیں ہے تو اس کو معرض استدلال میں پیش کرنا اس شخص کا کام ہو سکتا ہے جس نے علم منطق کے کوچہ میں قدم بھی نہ رکھا ہو اور جسے علم کلام کے باغ و بہار کی ہوا بھی نہ لگی ہو ۔ سنئے مولانا !

انا صخرۃ الوادی اذا ما زوحمت　　　واذا نطقت فانني الجوزاء

اب براہ کرم اس دلیل کو بھی اپنی پاکٹ بک میں رکھئے کسی وقت آپ کے کام آئے گی ۔

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

## لفظ شاہد سے غلط استدلال

وکذالک جعلنٰکم امۃ وّسطًا لتکونوا شھدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدًا (پ ۲ ع ۱)

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علیٰ ھٰؤلآء شھیدًا ؁

یا ایّھا النبیّ انا ارسلنٰک بالحقّ شاھدًا وّمبشّرًا وّ نذیرًا (احزاب رکوع ۳)

ان تینوں دلیلوں میں استدلال لفظ شہید اور شاہد سے ہے۔ مولوی صاحب کے استدلالات انھیں کے لفظوں میں یہ ہیں۔ ”کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو شاہد یعنی گواہ فرمایا ہے، آپ تمام نبیوں کی تبلیغ کی گواہی دیں گے اگر آئندہ موجودہ گزشتہ امت کے حالات کو بچشم خود ملاحظہ نہ فرمایا ہوتا تو آپ کی گواہی پر اعتراض ہوتا کہ تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو“

**الجواب:** علامہ صاحب! بقول آپ کے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امتوں کے حالات کو بچشم خود ملاحظہ فرمایا ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آنحضورؐ گزشتہ انبیاء کے وقتوں میں بہ جسد عنصری پیدا اور موجود رہے ہوں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ آپ بہ جسد عنصری تمام انبیاء کے آخر میں پیدا ہوئے اور اسی وجہ سے خاتم النبیین کہلاتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کا قیاس اس لئے بھی غلط ہے کہ قرآن کریم صاف طور پر آپ کا اگلے امم اور سابق انبیاء کے وقتوں میں موجود ہونے کا انکار کرتا ہے تو جو شخص

موجود نہ ہو اس کے حاضر اور ناظر ہونے کا سوال کہاں پیدا ہو سکتا ہے ؟

### نص قرآن سے اس کا ثبوت کہ آنحضورؐ ہر زمانہ میں نہ تھے

اب وہ آیتیں نمبروار سنئے جس میں آپ کے اگلے وقتوں میں نفس وجود ہی سے اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا ہے ارشاد ہے ۔

(۱) وماکنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم ایّھم یکفل مریم وماکنت لدیھم اذ یختصمون (سورہ آل عمران)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت بیت المقدس کے مجاورین حضرت مریم کے متولی ہونے کے معاملہ میں جھگڑا کر رہے تھے اور قرعہ ڈال رہے تھے تو اے رسول تم وہاں موجود نہ تھے ۔

(۲) ذالک من أنباء الغیب نوحیہ إلیک وماکنت لدیھم إذ جمعوا امرھم وھم یمکرون (سورۃ یوسف)

یعنی یہ قصۂ یوسف غیب کی خبروں سے ہے ہم ہی آپ کو وحی کے ذریعہ یہ بتلاتے ہیں آپ ان برادران یوسفؑ کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب کہ انھوں نے یوسف کو کنویں میں ڈالنے کا پختہ فیصلہ کر لیا تھا اور جب کہ وہ خفیہ تدبیریں کر رہے تھے ۔

(۳) وَمَاکنت بجانبِ الغربیّ اذ قضینا الیٰ موسیٰ الامر وما کنت من الشّاھدینَ ٥ (سورۃ قصص)

یعنی اے رسولؐ ! جس وقت ہم نے موسیٰؑ کی طرف یہ حکم بھیجا تھا اس وقت تم مغربی جانب میں نہ تھے اور یقیناً تم وہاں شاہد (حاضر و موجود) نہ تھے ۔

ان چند آیات کریمہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ حضور دیگر انبیاء کرام کے زمانے میں عالم روح میں بھی حاضر و ناظر نہ تھے علاوہ ازیں آپ پر نہایت افسوس ہے کہ آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر ثابت کرنے کے لئے یہ قاعدہ پیش کیا کہ شاہد وہ شخص ہو سکتا ہے جو حاضر و ناظر ہو اس قاعدہ سے تو تمام امت کو بھی حاضر و ناظر ماننا پڑے گا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو شاہد فرمایا اسی طرح آپ کی امت کو بھی شاہد فرمایا ہے۔ ارشاد ہے لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (پ۲ ع ۱۷) تاکہ رسول تمہارے لئے گواہ بنیں اور تم لوگوں کے لئے گواہ بنو۔ اب اس تشریح جدید کی رو سے جب تمام امت بھی حاضر و ناظر ہوگئی تو اس اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا خصوصیت اور کون سی خاص عظمت اس سے باقی رہ گئی؟ باب تفسیر میں آپ کی روش یہ ہے کہ آپ ایک جدید تفسیر روح البیان سے زیادہ استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک لطائف نگار بزرگ ہیں باب تفسیر میں ان کی حیثیت کچھ استناد کی نہیں پس اسلاف کی تفاسیر خازن و تفسیر مدارک وغیرہ کی رو سے ان آیات کا مطلب دیکھنا چاہیئے جو یہ ہے کہ گذشتہ امتوں کے کفار سے اللہ تعالیٰ خطاب فرمائے گا کہ تمہارے پاس کیا کوئی نذیر نہیں پہونچا۔ پھر اللہ تعالیٰ باوجودیکہ عالم الغیب ہے اتمام حجت کے لئے انبیاء کرام کو طلب کرے گا۔ انبیاء کرام امت محمدیہ کو گواہ ٹھہرائیں گے اس موقع پر تفسیر خازن کے الفاظ یہ ہیں فیوتی بامۃ محمد علیہ الصلوۃ والسلام یشھدون لھم۔ (تفسیر خازن مصری جلد اول ص۹۱)

کفار ان کی گواہی پر اعتراض کریں گے کہ یہ لوگ ہم سے بعد میں پیدا ہوئے ان کو کیسے معلوم ہوا اس وقت امت محمدیہ جواب دے گی کہ حق تعالیٰ نے ہمارے پاس رسول بھیجا اور اس پر کتاب نازل فرمائی اس نے ہم کو خبر دی کہ سب انبیاء نے اپنی امت کو پیغام پہونچا دیئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سچوں سے زیادہ سچا ہے۔ امت کی شہادت کے بعد حضور طلب ہوں گے اس موقع پر تفسیر خازن کے الفاظ یہ ہیں۔ ثم یوتی بمحمد علیہ السلام فیسالہ من حال امتہ فیزکیھم ویشھد بصدقھم یعنی حضور کو بلایا جائے گا اور آپ سے امت کا حال پوچھا جائے گا تو آپ اپنی امت کی صفائی بیان فرمائیں گے اور اس کے عادل ہونے کی گواہی دیں گے گزشتہ انبیاء یا گزشتہ امم کے احوال و اعمال کی شہادت آپ نہ دیں گے بلکہ صرف اپنی امت کی صادق الکلامی اور راست بیانی کی تصدیق فرمائیں گے۔ اسی طرح علامہ خازن نے ویکون الرسول علیکم شہیدًا میں بھی شہید کی تفسیر عدلاً مزکیًا لکم سے کیا ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے عادل و صادق ہونے کی صفائی پیش کریں گے پس دیگر امم اور دیگر انبیاء کے بارہ میں نہ آپ کی طلبی ہوگی، نہ کوئی صفائی دیں گے۔ بہر حال تفسیر خازن و معالم و مدارک وغیرہ سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ امت محمدیہ پہلی امتوں پر گواہی دے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی امت کی صداقت و عدالت پر شہادت دیں گے جیسا کہ خازن، مدارک و معالم کی عبارت یشھد بصدقھم، ومزکیًا لکم سے صاف ظاہر ہے پس علامہ کا لفظ شہید سے یہ کہنا کہ آپ اگلے انبیاء اور

اگلی امتوں کے گزشتہ حالات اور ان کے تبلیغی کارناموں کی گواہی دیں گے صاف طور پر غلط ہے، اور اس پر آپ کا یہ حاشیہ غلط بر غلط ہے، کہ چونکہ گواہ کا حاضر وناظر رہنا لازم ہے اس لئے معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی (خیر الانبیاء ص۱۱) کیونکہ ہم نے صحیح تفسیر سے ابھی ثابت کیا کہ آپ صرف امت کے اجتماعی بیان کی تصدیق و توثیق فرمائیں گے۔ انبیاء و دیگر امم کے حالات پر آپ کی سرے سے کوئی گواہی تک نہ ہوگی تو چشم دید کی قید کی ضرورت بھی نہ پڑے گی۔ پس آپ کے پاس تمام احوال و اعمال امم گزشتہ پر نظر رکھنے کی کوئی دلیل نہیں رہ گئی۔

## شاہد کے لئے دیکھنا ضروری نہیں

تفسیر مدارک میں علامہ نسفی حنفی رح نے اس شہادت کے متعلق اس شبہ کا بھی جواب دے دیا ہے کہ جب امت کے شاہد حضور رہے تو اس کے احوال و اعمال پر حاضر و ناظر ہوں گے تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں

والشهادة قد تكون بلا مشاهدة كالشهادة بالسامع فى الاشياء المعروفة۔

(مدارک جلد اول ص۹)

یعنی یہ شہادت بلا مشاہدہ اور بلا چشم دید ہونے کے اسی طرح معتبر ہوگی جس طرح مشہور و معروف واقعات کی شہادت بکثرت سننے کی بنا پر دی جاتی ہے، اس حوالہ کی روشنی میں یہ بات صاف ہوگئی کہ شہادت کے لئے آپ جو مشاہدہ لازم ٹھہراتے ہیں یہ محض آپ کی ذاتی رائے ہے اور بلا سند ہے،

مجھے ڈر ہے کہ آپ کہیں علامہ نسفیؒ کو "وہابی" نہ کہہ دیں کیونکہ وہ آپ کے مزعومہ کے صریح خلاف فرما رہے ہیں کیا سچ ہے ؎

گر پڑا پر وہی کبوتر کا      جس میں نامہ بندھا تھا دلبر کا

**امت کے لئے گواہ ہونے کا مطلب** اصحاب تفسیر نے صحیح احادیث کے حوالہ سے اس شہادت کو محدود کر کے صرف امت کی صداقت و عدالت کی تصدیق سے وابستہ کیا ہے یعنی حضور صرف اپنی امت کی نسبت فرمائیں گے کہ میری امت عادل وصادق الکلام ہے اور ان کی اجتماعی روایت قابل اعتبار ولائق قبول ہے ظاہر ہے کہ اتنے بیان کے لئے حضور کا حاضر وناظر رہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے آپ کا اجمالی علم کافی ہے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ میری امت کا اجتماعی بیان غلط نہیں ہو سکتا آپ ہی بہ نص وحی فرما گئے تھے۔ لا یجتمع امتی علی الضلالۃ پس آپ امت کے اجتماعی بیان کی تصدیق فرمائیں گے جس سے غایت مافی الباب یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اجماع امت قابل قبول ہے۔ ھٰکذا قالہ صاحب المدارک فی تفسیرہ (جلد اول ص)

**صاحب روح البیان کی غلطی** مولانا سے پھر بھی عرض ہے کہ اگر آپ امت کی اجتماعی روایت کی تصدیق وتوثیق فرما دینے سے حاضر وناظر کا استدلال کریں جیسا کہ روح البیان کے حوالہ سے آیت مذکورہ کی دلیل میں آپ نے لکھا ہے کہ "حضور امت کے احوال سے مطلع اور باخبر ہیں اور ان کی حسنات وسیئات سے واقف ہیں (ص)

تو ہم اس پر یہ عرض کریں گے کہ صاحب روح البیان اپنے اس بیان میں تفسیر خازن، تفسیر مدارک، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر فتح البیان وغیرہ تفاسیر معتبر سے منفرد ہیں، اس وجہ سے ان کی یہ بات قابل قبول نہیں ہو سکتی، کیونکہ شہادت کے تحت ان کی یہ تشریح صحیح اور متفق علیہ حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ صحیح بخاری وغیرہ میں متعدد اصحاب کرام سے مروی ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں میں حشر کے دن حوض کوثر پر ہوں گا اور ملائکہ ایک جماعت کو جہنم کی طرف لے چلیں گے میں کہوں گا یہ تو میرے امتی ہیں مجھ کو جواب دیا جائے گا کہ انک لاتدری ما احدثوا بعدک (صحیح بخاری کتاب الحوض ص۹۷۴)

یعنی آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا رخنے پیدا کئے تھے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب مجھے یہ معلوم ہوگا تو میں وہی کہوں گا جو خدا کے بندے عیسیٰ ابن مریم نے کہا تھا۔ کنت علیھم شھیداً مادمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علی کل شیءٍ شھید۔ یعنی میں ان سے خبردار تھا جب تک کہ میں ان میں رہا پس جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگران حال تھا اور تو ہی ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے، اس متفق علیہ حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضورؐ کو اپنی امت کا پورا حال اور گزشتہ یا موجودہ امتوں کے تفصیلی احوال کی خبر نہیں، کیونکہ اگر آپ امتیوں کے پاس حاضر وناظر اور ان کے احوال سے خبردار ہوتے تو قیامت میں یہ نہ فرماتے کنت علیھم شھیدا مادمت فیھم پس اس صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے ہم آپ کے روح البیان والے علامہ کا

قول کہ دو آپ امت کی حسنات وسئیات اور ان کے تفصیلی حالات سے واقف ہیں، کس طرح درست قرار دے سکتے ہیں۔ کیا خوب ارشاد ہے۔ لو اتبع الحق اھواء ھم لفسدت السموات والارض۔ اب سب سے آخر میں مولانا سے یہ عرض ہے کہ آپ کا مدعا پھر بھی پورا نہ ہوا کیونکہ آپ نے امت مسلمہ کی تصدیق و توثیق سے زیادہ سے زیادہ ان ہی سے باخبر اور ان کے پاس حاضر وناظر رہنے کا مسئلہ نکالا ہے تو یہ دلیل خاص کا درجہ ہے، اور آپ کا دعوی عام ہے کہ تمام عرش و فرش و عالم ملائکہ، عالم اجسام، عالم ارواح، عالم امکان، غرض ہر چیز پر حضور کی نظر ہے۔ (ص ۱۴) تو دلیل خاص سے آپ کا دعوی عام ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ میں اس کو پہلے مثال دیکر سمجھا چکا ہوں۔ ہاں مولانا اس دلیل کے کٹ جانے سے شاید آپ ناراض ہوں گے کہ میرے ترکش کا آخری تیر بھی نشانہ خالی کر گیا۔ مگر مولانا میں کیا کروں تیر چلانے والا ہی اناڑی ہے، ورنہ آپ کے لئے میرا عام خطاب یہی ہے۔

تیر پر تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے　　سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے

پس مولانا اپنی حسرت اب دوسری تحریر میں نکالئے اور ترکش کے سب تیروں کو سامنے لایئے البتہ جو حشر ان دلائل کا ہوا ہے ان کے لئے بھی وہی تصور فرمالیجئے۔

# احادیث سے استدلالات اور مغالطات

**پہلا مغالطہ اور اس کا جواب** (۱) انّ اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا والی ما ہو کائن فیہا الی یوم القیٰمۃ کانّما انظر الی کفّی ھذا۔

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دنیا کو پیش کیا پس میں اس دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھتا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

**الجواب :۔** مواہب لدنیہ کے حوالہ سے آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی جو روایت پیش کی ہے اس کے متعلق پہلی گذارش تو یہ ہے کہ وہ حدیث طبقہ رابعہ کی ہے اور اصول حدیث میں یہ طے ہو چکا ہے کہ جس کو طبقہ رابعہ یا اس کے بعد والے روایت کریں وہ قابل استناد نہیں ہے تا وقتیکہ کسی ناقد بصیر محدث سے اس کی تصحیح منقول نہ ہو اور آپ کسی محدث سے اس کی تصحیح ثابت نہیں کر سکتے، البتہ اس کے برعکس میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ محدثین نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ حافظ علی متقی اپنی کتاب کنز العمال جلد ششم ص۹۵ پر اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں "وسندہ ضعیف" یعنی اس حدیث کی سند ضعیف ہے، اور یہ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ باب

عقائد میں ضعیف حدیثوں سے استدلال قائم نہیں ہو سکتا۔

## دوسرا مغالطہ اور اس پر تنقید

فتجلیٰ لی کل شئ وعرفتُ پس میرے لئے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور میں نے پہچان لیا۔ مشکوٰۃ شریف باب المساجد کے حوالے سے جو روایت آپ نے نقل کی ہے اور اس سے آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے کا جو استدلال قائم کیا ہے۔ وہ استدلال غلط ہے کیونکہ آپ اس حدیث سے یہ مطلب نکالنا چاہتے ہیں کہ حضورؐ دائمی طور پر ہر چیز کو جان گئے، حالانکہ یہ بالکل باطل ہے، کیونکہ اس حدیث میں ایک خاص وقت کا ذکر ہے، چونکہ پوری حدیث اس طرح ہے کہ میں وضو بنا کر نماز تہجد پڑھنے لگا۔ اثنآءِ نماز میں نیند آگئی اور طبیعت بھاری ہو گئی۔ یکایک میں نے اللہ تعالیٰ کو اسی عالم خواب میں دیکھا اس نے مجھ سے پوچھا کہ اے محمدؐ ملائکہ مقربین کس چیز میں بحث کرتے ہیں، میں نے کہا میں نہیں جانتا، اس جواب کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھا اس کی ٹھنڈک مجھے اپنے سینہ میں محسوس ہوئی پس اس وقت میرے لئے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لیا۔ (مشکوٰۃ ص۷۲)

ناظرین کرام! اس پوری حدیث کے سامنے آجانے سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ آپ صحابہ سے اس عالم خواب کے مشاہدات اور تجلیات کا ذکر فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ لگنے کے ساتھ ہی مجھ پر ایسا روشن ہوا چنانچہ "فاء تعقیب" اس پر دلالت کرتا ہے پس اس کا مضمون زیادہ سے زیادہ یہ ہوا

کہ اس وقت جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ لگایا تمام اشیاء کا انکشاف ہوگیا جیسے بیٹری گلوب میں اس وقت اجالا دیتی ہے جبکہ مؤخر کا ڈھکنا جس میں تانبا کا تار لگا رہتا ہے اسی سے ملاصق رہے جہاں ہٹادیا روشنی فوراً ختم ہوجاتی ہے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ رکھنا کشف کا ہونا تھا اور ہاتھ ہٹانا کشف کا موقوف ہونا تھا یہ خدائی کرشمہ آپ کے لئے ایک معجزہ تھا جو عالم خواب میں پیش آیا۔ اس کو مسئلہ حاضر وناظر سے کیا علاقہ ؟ الحاصل زیربحث حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ایک خاص عالم میں ایک خاص تجلی ہوئی اور اس کے اثر سے ہر چیز کا کشف ہوگیا، اس روایت سے استمرار دوام ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ بقاعدہ علم منطق یہ قضیہ وقتیہ مطلقہ ہے، کیونکہ عالم خواب کے خاص وقت میں تجلی کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ قضیہ وقتیہ۔ دائمہ مطلقہ نہیں ہوتا مثلاً کل قمر منخسف وقت التربیع یوں نہیں کہہ سکتے کل قمر منخسف دائمًا یا جیسے کوئی کہے کہ بیماری کے زمانہ میں زید اسپتال میں تھا اور اس سے دائمہ مطلقہ یعنی اسپتال میں ہمیشہ رہنے کا ثبوت نہیں نکل سکتا یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ چونکہ زید اسپتال میں بیماری کے وقت تھا اس لئے ثابت ہوا کہ زید ہمیشہ ہمیش کے لئے اسپتال میں ہے بس غایت مافی الباب یہ ہے کہ خواب کے وقت میں حضور کے لئے ایک خاص وضع میں ہر چیز کی تجلی ہوئی اور آپ نے پہچان لیا (لاشک فیہ) ظاہر ہے وقتیہ مطلقہ کے مضمون سے دائمہ مطلقہ کا استدلال علم منطق کے قانونی کانٹے کے اعتبار سے بالکل مہمل ہے۔

## آنحضورؐ امت کے احوال و اعمال پر حاضر و ناظر نہ تھے۔

احوال و اعمال امت کے پاس اپ کا حاضر و ناظر نہ رہنا آپ کے حالات زندگی سے کبھی ثابت ہے۔ اس سلسلے میں دو روایتیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) منافقین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر طمع سازی سے آپ کے دل کو خوش کر دیتے حالانکہ وہ یقیناً مکار و دغا باز ہوتے تھے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ومن الناس من یعجبك قوله فی الحیوٰة الدنیا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ ان کی حقیقت کھول کر بیان فرماتے ہیں۔ وھو الد الخصام، دیکھئے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو دائمی معرفت حاصل نہ تھی ورنہ ایسے چاپلوسوں سے خوش نہ ہوتے۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد استعمال کیا آپ کی ازواج نے مغافیر کی بو کا بہانہ بتایا خدا کے نبی نے شہد اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس پر سوال فرمایا یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لك یعنی حلال چیز کو حرام کیوں ٹھہراتے ہو، پس اگر آپ احوال امم سے واقف ہی ہوتے تو کم از کم اپنی بیویوں کے اس مشورہ اور بہانہ کو سمجھتے اور شہد کو حرام نہ ٹھہراتے۔

## واقعہ معراج سے ایک لطیف ثبوت

حضور صلعم معراج سے واپس تشریف لائے تو مکہ والوں نے بیت المقدس کی چیزوں کے متعلق پوچھا آپ بے حد پریشان ہوئے اس موقع پر حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ فکربت کربًا لم اکرب مثله فرفع اللہ لی

بیت المقدس انظر الیہ (فتح الباری جلد ۱۵ ص ۴۵۳) بخاری کے متن میں ہے جنے جلّی اللہ لی بیت المقدس، حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں ان کے سوال سے ایسا پریشان ہوا کہ ایسی پریشانی مجھ کو کبھی نہیں ہوئی تھی، پس آخر کار اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس کو سامنے کر دیا۔ پس میں دیکھ دیکھ کے بتاتا گیا۔ اس روایت سے بھی صاف معلوم ہوا کہ حضورؐ حاضر و ناظر نہ تھے۔

غرض ان تمام روایتوں کی روشنی میں آپ کی دائمی معرفت اور ہر جگہ حاضر و ناظر رہنے کا مسئلہ صاف طور پر غلط ہو جاتا ہے۔

نوٹ :۔ ۲ کے ذیل میں جو حدیث مواہب لدنیہ کے حوالہ سے مولانا نے نقل کی ہے اسے ۱ کی دلیل میں بھی نقل کر چکے ہیں مکرر لانا عبث ہے، اور چونکہ ہم پہلی دلیل کے جواب سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اس لئے ہم تکرار نہیں کرتے

## تیسرا مغالطہ اور اس کا جواب

لا تسئلونی عن شیء فیما بینکم وبین الساعۃ الا نبأتکم بہ۔

ترجمہ :۔ اب سے قیامت تک کی کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک کی تمام چیزیں حضورؐ کی نظر میں ہیں۔

الجواب :۔ یہ روایت خازن مصری جلد اول ص ۳۰ پر موجود ہے۔ کلبی اور سدی کے حوالہ سے علامہ خازن نے اس حدیث کو بلا سند نقل کیا ہے۔ اس لئے آپ پہلے اس کی سند پیش کریں تاکہ ہم آپ کو قدر عافیت بتائیں لیکن اتنا ہم لکھتے ہیں کہ کلبی عبداللہ بن سبا کے اصحاب میں تھا، جس کا یہ عقیدہ تھا

کہ علی ابن ابی طالب ابھی نہیں مرے ہیں، اور دنیا میں پھر لوٹ کر آنے والے ہیں، (مفتاح السعادہ ج ا صـ۴۰۱)

دوسری جگہ ہے۔ واوھی طریق تفسیرا بن عباس طریق الکلبی فان انضم الی ذالک روایۃ محمد بن مروان السدی الصغیر فھی سلسلۃ الکذب (مفتاح جلد اول صـ۴۰۲) یعنی عبد اللہ بن عباس کی تفسیر کا سب سے واہی طریقہ وہ ہے جو بروایت کلبی مروی ہو اور اگر اس میں سدی کی بھی شرکت ہو جائے تب تو تمام تر کذب ہے پس آپ نے کلبی و سدی کے حوالہ سے جس روایت کو نقل کیا ہے اس کا یہ حال ہے کہ حافظ ابن حجر بھی آپ کے مفسر کلبی کے متعلق لکھتے ہیں۔ محمد بن السائب بن بشر الکلبی النسابۃ المفسر متھم بالکذب ورمی بالرفض۔ یعنی کلبی کے بارے میں جو سلسلہ نسب و تفسیر میں آیا ہے کہتے ہیں کہ رافضی اور متہم بالکذب ہے (تقریب التہذیب تحت محمد صـ۳۲۰) امام الحدیث سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے۔ اتقوا الکلبی کہ کلبی کی روایت سے دور دور رہو۔

(کتاب العلل للترمذی صـ۲۴۲)

چونکہ آپ کی منقولہ عبارت سدی کی ہے، اس لئے ان کا حال بھی سنئے۔ حافظ ابن حجرؒ لسان المیزان میں لکھتے ہیں۔ محمد بن مروان الکوفی السدی صاحب التفسیر عن محمد بن الکلبی۔ قال احمد بن حنبل ؟ درکتہ لقد کبر فترکتہ وضعفہ غیرہ۔

(لسان المیزان جلد ششم صـ۷۶)

یعنی امام احمد بن حنبل و دیگر ائمہ فن نے سخت ضعیف و متروک قرار دیا ہے اسی طرح "تقریب" میں لکھتے ہیں۔ محمد بن مروان السدی الاصغر کوفی متهم بالکذب من الثامنة (تقریب التہذیب ص۳۳۷) یعنی سدی جھوٹ بولنے کے ساتھ متہم ہے۔

**اعلام:-** عبارات جرح میں متہم بالکذب کی جرح دجال و کذاب کی جرح کے قریب ہے، ملاحظہ ہو لسان المیزان جلد اول ص۹) اب امام الحدیث ابن مہدی اور شعبہ کی تصریح بھی دیکھئے فرماتے ہیں۔ واذا تهم بالكذب طرح حديثه (لسان جلد اول ص۱۲) اسی طرح امام ترمذی کتاب العلل میں لکھتے ہیں۔ کل من کان متهما بالكذب لا یشتغل بالروایة عنه (کتاب العلل ص۲۴۳) دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ متہم بالکذب راوی کی روایت مطروح و متروک ہے، اور اس کی روایت کو نقل کرنا چاہئے بہرحال ہمارے علامہ اسماء الرجال سے عدم واقفیت کی بنا پر خازن سے سدی کی وہ روایت نقل فرماتے ہیں جس کے متعلق محدثین کہتے ہیں کہ اسے پھینک دو، اسے چھوڑ دو۔ علامہ کو شاید یہی کافی نظر آیا کہ اسے تفسیر خازن نے نقل فرمایا ان کو معلوم نہیں کہ امام احمد بن حنبل رح نے کیا فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ تین طرح کی کتابیں ہیں کہ ان کا کوئی اصول ہی نہیں ہے۔ مغازی، تفسیر، ملاحم، "حافظ ابن حجر رح اس کو لسان المیزان کے مقدمہ میں نقل کر کے فرماتے ہیں۔ "خصوصًا جب کہ مغازی میں اعتماد "واقدی" جیسے لوگوں پر ہو اور تفسیر میں کلبی و سدی اور ان کی امثال پر ہو اور ملاحم میں اسرائیلیات پر ہو تو روایت قابل اعتبار

نہیں رہتی ،، (مقدمہ لسان جلد اول صد ۱۳)

یہ جرح باعتبار سند کے تھی، اب متن و معنیٰ پر کلام سنئے، وہ یہ ہے کہ حدیث کے اس مضمون کو حاضر و ناظر کے عقیدہ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ اس روایت سے تو صرف اتنا مطلب نکلتا ہے کہ تم جو کچھ اب سے قرب قیامت تک کی بات پوچھو گے میں بتلا دوں گا۔ اب چونکہ پوچھنے والے اپنے محدود علم و فہم کے مطابق ہی پوچھیں گے اس لئے آپ کا جواب بھی محدود اور چند متعین امور ہی کا ہو گا۔

مولانا غور فرمائیے ،، حدیث فیما بینکم و بین السّاعۃ ،، سے ماکان و ما یکون کے علم کلی اور حضور علمی کی صاف طور پر نفی ہو رہی ہے، کیونکہ ،، فیما بینکم ،، کا لفظ فیما مضٰے لی نفی کر رہا ہے ،، اس لئے سوالات بھی ،، فیما بینکم ،، سے متعلق ہوں گے نہ کہ فیما مضے و ما کان سے، پس سوالات محدود و متناہی ہوں گے اور ان کے بقدر آپ کے جوابات و اخبار بھی متناہی ہوئے پھر یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ آپ نے جو یہ فرمایا کہ اب سے قیامت تک کے ہر سوال کا جواب دوں گا اس سے تو یہ بھی مستفاد ہوا کہ سائل جس شئ کی نسبت سوال کرے گا وہ من وجہ اس کو بھی معلوم ہے، ورنہ سوال ہی ناممکن ہو گا، تو اس کا جواب علم غیب کیسے ہو جائے گا، علاوہ ازیں آپ کے اس فرمان سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ آپ ہر شی کے سوال کا جواب دے دینا بتلاتے ہیں، یا یہ کہ آپ تمام معلومات پیطاحر و ناظر ہیں، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جب آپ سے ایک بدوی نے سوال کیا تھا کہ میری عورت کب بچہ جنے گی، اور ہمارے قحط زدہ ملک میں بارش کب ہو گی۔

اور میری موت کب واقع ہوگی؟ تو آپ ان سوالوں کا بھی جواب دیتے لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۱۸۳)

زیر آیت "ان اللہ عندہ علم الساعۃ" یہ واقعہ خازن میں بھی ہے، بہرحال خازن کی اس روایت سے آپ کے حضور علمی یا حاضر و ناظر کا استدلال سنداً ناجائز ہے۔

## چوتھا مغالطہ اور اس کا جواب

فو اللہ لا تسئلونی عن شیء الا اخبرتکم بہ مادمت فی مقامی ھذا۔ الی ثم کثر ان یقول سلونی سلونی۔

ترجمہ:- قسم اللہ کی جب تک ہم اس جگہ (منبر پر) ہیں تم کوئی بھی بات پوچھو گے ہم تم کو اس کی خبر دیں گے۔ پھر بار بار فرمایا مجھ سے پوچھو مجھ سے پوچھو۔

**الجواب:-** یہ حدیث صحیح بخاری جلد ثانی میں موجود ہے، اس حدیث کو امام بخاری باب مایکرہ من کثرۃ السوال کے تحت لائے ہیں، جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ آپ کا یہ ارشاد کثرت سوال کے سبب خفگی اور غصہ کے طور پر ہے۔ ہمارے علامہ نے اس کو کثرت سوال کی اجازت قرار دے ڈالا تاکہ کثرت جواب اور کثرت اطلاع کے وسیلہ سے حضور کا حاضر و ناظر ہونا درست ہو جائے، حالانکہ یہ استنباط اور حاشیہ آرائی تو جب درست ہو سکتی ہے جبکہ "سلونی" بصیغہ امر وجوب یا اجازت کے لئے متعین ہو، پس اگر مولانا اصول فقہ سے واقف ہوتے تو کم از کم نور الانوار ہی کے مطالعہ سے یہ

بات عیاں ہوجاتی ہے کہ امر ہر جگہ وجوب کے لئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ نہد بد و
تادیب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اسی طرح ہمارے مولانا حدیث دانی سے بھی
نابلد بلکہ خارج البلد ہیں، اس کا ثبوت یہ ہے کہ علامہ کی منقولہ حدیث دو باب
مایکرہ من کثرۃ السوال، کے ماتحت چھٹی حدیث ہے اس سے پہلے
پانچ حدیثیں گذر چکی ہیں، حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔ الحدیث
السادس وھو یتعلق بالقسم الثالث وکذا الرابع حدیث
انس وھو فی معنی الحدیث الرابع (فتح الباری پ ۲۹ ص ۶۵۹)

یعنی یہ چھٹی حدیث جو حضرت انسؓ سے مروی ہے تیسری اور چوتھی
حدیث سے متعلق ہے اور مضمون کے اعتبار سے چوتھی حدیث کے ہم معنی ہے،
تشریح مقام کے لئے ہمارا فرض ہے کہ اب ہم تیسری اور چوتھی حدیث بھی سامنے
لائیں پس دیکھئے؟ تیسری حدیث ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے۔ قال سئل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اشیاء کبرھا فلما اکثروا
علیہ المسئلۃ غضب وقال سلونی الی فلما رای عمر بوجہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الغضب قال انا نتوب الی اللہ (فتح
الباری پ ۲۹ ص ۶۵۸)۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی ایک چیزوں کا سوال کیا گیا
جن کو آپ نے ناپسند فرمایا، لوگوں نے مزاج شناسی نہیں کی، اور سوالات
کثرت سے کرنے لگے، تو حضور غصہ کے عالم میں فرمانے لگے، اور پوچھو۔ پس جب
حضرت عمرؓ نے چہرۂ مبارک کی طرف نظر دوڑا کر آپ کے غصہ کو محسوس کیا تو کہنے لگے

ہم سب توبہ کرتے ہیں۔ چوتھی حدیث مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے۔ انہ کان ینھیٰ عن قیل وقال وکثرۃ السوال (حوالہ مذکور) یعنی حضورؐ نے چھیڑ چھاڑ اور کثرت سوال سے منع فرمایا۔ اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ چھٹی حدیث کو جب تیسری اور چوتھی سے تعلق ہوا اور جب وہ چوتھی کے ہم معنی ہوئی تو اس سے صاف صاف کثرت سوال کی کراہت اور ممانعت کا مسئلہ ثابت ہوا اور وضاحت سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ آپ نے "سلونی سلونی" غصہ کے عالم میں زجر و تغلیظ کے طور پر فرمایا تھا۔ اب سلطان المناظرین نے بلا کسی دقت نظری کے اپنے رسالہ میں اس حدیث سادس کو اس طرح مزہ سے لکھ دیا گویا مریدوں کی مجلس میں بیٹھے ہوئے نرم نرم حلوا کھا رہے ہیں۔ ہمارے علامہ نے سمجھا تھا کہ بخاری کی حدیث پیش کر کے وہابیوں کو قائل کر لوں گا، لیکن سیاق وسباق اور شرح حدیث نہ دیکھنے کے سبب علامہ نے پھر عجز پر عجز کھایا۔

**علم منطق سے بے خبری کا ایک اور ثبوت**

سلطان بے ملک! ذرا سنئے کہ جب حضورؐ خفا ہو گئے اور حضرت عمر فاروق توبہ اور تعوذ کرنے لگے اور حضور کو راضی کرنے کے لئے رضینا رضینا کہنے لگے اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا غصہ کثرت سوال پر معمولی قسم کا نہ تھا پس اس حدیث کو تیسری اور چوتھی حدیث کی روشنی میں دیکھنے سے کثرتِ سوال کی اجازت تو قطعی ثابت نہیں ہوتی تو اب اس سے کثرتِ جواب اور کثرتِ علم کا استنباط اور پھر حاضر و ناظر کا خانہ ساز استدلال خود ہی باد رہوا ہے، بایں ہمہ ہم مولانا کی خاطر داری تھوڑی اور کرتے ہیں اور میزان منطق کے کانٹے میں

وزن کر کے یہ نفیس حلوا پیش کرتے ہیں۔ پس سنئے! روایت بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔ لا تسئلونی عن شئ الا اخبرتکم مادمت فی مقامی ھذا کہ میں جب تک اس منبر پر ہوں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔ منطق کی اصلاح میں یہ قضیہ مطلقہ نہیں ہے بلکہ مشروطہ عامہ ہے، یعنی آپ اپنے اعلام و اخبار کو منبر پر رہنے کے وقت تک مشروط کرتے ہیں۔ پس جب آپ منبر سے الگ ہو گئے تو آپ کے اخبار و اعلام کا وہ ملازمہ بھی باقی نہ رہا اور اصول فقہ کا بھی مسئلہ ہے اذا فات الشرط فات المشروط۔ آپ اسے بھی بھولے بیٹھے ہیں۔ علم منطق میں مشروطہ عامہ کی ایک مثال آتی ہے۔ کل انسان متحرک الاصابع مادام کاتبا ہر انسان کی انگلی حرکت کرتی رہتی ہے جب تک کہ وہ کاتب ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے دائمہ مطلقہ نہیں بن سکتا، یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کل انسان متحرک الاصابع دائما کہ ہر انسان کی انگلی ہمیشہ حرکت کرتی ہے، کیونکہ یہ بداہتہً غلط ہے، پس اسی طرح بخاری میں جب حضورؐ نے اپنے اخبار کو قیام علی المنبر کے ساتھ مشروط کر دیا تو اب جب کہ وہ قیام علی المنبر نہیں ہے۔ اخبار و اعلام بھی نہیں ہو سکتا، تو اب اس کو دائمہ مطلقہ بنانا اور یہ کہنا کہ حضورؐ ہمیشہ ہر چیز کی خبر اور ہر چیز پر نظر رکھتے ہیں۔ صراحتاً غلط ہے۔ مجھے امید نہ تھی کہ علامہ صاحب مشروطہ عامہ اور دائمہ مطلقہ میں تمیز نہیں رکھتے۔ بہر حال آپ کا دامنِ علم حدیث اور منطق کے دونوں علوم سے خالی نظر آتا ہے۔ علامہ سے آخر میں ایک اور عرض بھی ہے کہ جب یہ مشروطہ عامہ دائمہ مطلقہ نہیں بن سکا تو استدلال کے قابل نہ رہا کیونکہ دعوی عام دلیل خاص کی صورت ہو گئی کیونکہ حدیث کی روشنی میں آپ کی خبر یا ہر چیز پر نظر بعد التسلیم ایک

خاص وقت اور ایک خاص موقع تک کے لئے ہے، اور آپ کا دعویٰ اس سے عام ہے کہ نگاہِ محمد "ماکان ومایکون" کو گھیرے ہوئے ہے (رسالہ ص۳۳)

ع بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

## پانچواں مغالطہ اور اس کا جواب

فقال الذئب اعجب من هذا رجل فی النخلات بین الحرتین یخبرکم بما مضی وبما هو کائن من بعد کم۔

ترجمہ:۔ بھیڑیئے نے شکاری سے کہا اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ایک آدمی (حضور علیہ السلام) دو پہاڑیوں کے درمیان نخلستان مدینہ میں ہے وہ تم کو گذشتہ اور آئندہ کی خبریں دیتا ہے۔ ترجمہ کر کے مولانا فرماتے ہیں حضورؐ کو وہابی حاضر و ناظر نہیں سمجھتے اور زمانہ نبوی میں حضورؐ کو بھیڑیا دحیا نور تک حاضر و ناظر سمجھتے تھے۔

الجواب:۔ ہمارے علامہ کا استدلال "یخبرکم بما مضی وبما هو کائن" کے لفظ سے ہے وہ "ما" کو عموم و استغراق کے لئے متعین سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ کلیہ ہی درست نہیں ہے کہ "ما" ہمیشہ عموم و استغراق کے لئے ہے اور اس حدیث میں تو بالیقین وہ عموم و استغراق کے لئے نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا مانا جائے تو لازم آئے گا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو علم غیب کلی کی تعلیم دیتے تھے، اور اس صورت میں لازم آئے گا کہ صحابہ کرام بھی اس کلی علم اور ہمہ گیر اطلاع میں آپ کے شریک ہوں حالانکہ یہ عقیدہ بریلوی مشن کے علماء کا بھی نہیں ہے، لہٰذا حدیث کا صحیح مطلب اب یہ نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

معجزہ کے طور پر بعض گذشتہ باتوں اور آئندہ ہونے والے واقعات کی خبر دیتے ہیں بیشک اس پر ہمارا ایمان ہے کہ بوحیٔ الٰہی آپ نے ماضی اور مستقبل کے بہت سے واقعات کی خبریں اپنے صحابہ کو دی، جو ان کی روایت سے ہم تک بھی پہونچیں پس آپ کا یہ اخبار آپ کے لئے ایک معجزہ ہے، اور ہم اس معجزہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس تشریح کی روشنی میں حاضر و ناظر کے مسئلہ سے اس حدیث کو کوئی ادنی تعلق بھی نہیں رہ گیا، ورنہ سلسلہ بہ سلسلہ صحابہ کرام اور آج تک کے سارے وہ لوگ بھی حاضر و ناظر ہو جائیں گے جو ان امور مستقبلہ و ماضیہ کی روایات سے واقف ہیں،

والتالی باطل فالمقدم مثلہ علاوہ ازیں آپ کا دعویٰ عام ہے، اور دلیل خاص ہے، کیونکہ بھیڑیئے والی حدیث میں صرف گذشتہ اور آئندہ کے اخبار کا ذکر ہے اور آپ کا دعویٰ ہے کہ حضور کی نظر گذشتہ، موجودہ، آئندہ کے احوال و افعال پر ہے، پس یہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہ ہونے سے معرض استدلال میں ساقط الاعتبار رہے۔

**ایک تنبیہ:-** مجھے خطرہ ہے کہ کہیں گھبراہٹ میں آپ یہ نہ کہہ ڈالیں کہ اچھا جتنا ثابت ہے پہلے اس کو مان لیجئے باقی اور دلیل سے ہم ثابت کر دیں گے کیونکہ یہ خیال نہایت لا یعنی ہے اس لئے کہ از روئے اصول مناظرہ وہ دلیل خصم کے سامنے نہیں پیش کی جا سکتی جو کل دعویٰ کو ثابت نہ کر سکے، پس مولانا یا تو دعویٰ کو واپس لیجئے یا اس دلیل کو چھوڑیئے

علامہ پر مہر کا یہ شعر چسپاں ہے ؎

دل کو میں روؤں یا جگر کو میرؔ　　میری دونوں سے آشنائی ہے

## چھٹا مغالطہ اور اس کا جواب

انی لاعرف اسماء هم واسماء اباءهم والوان خيولهم وهم خير فوارس على ظهر الارض ـ

**ترجمہ:**- حضورؐ فرماتے ہیں ان کے نام اور ان کے باپ کے نام اور ان کے گھوڑوں کے رنگ سے واقف ہوں وہ روئے زمین کے بہترین سوار ہوں گے اس پر علامہ بریلوی لکھتے ہیں کہ حضور دجال کے سامنے جانے والے مجاہدین کے نام و نسب اور ان کے گھوڑوں کے رنگ سے بھی واقف ہیں۔ لہذا حضور حاضر و ناظر ہو گئے۔

**الجواب:**- یہ حدیث مشکوٰۃ شریف کتاب الفتن کے باب الملاحم کے تحت فصل اول کی بارہویں حدیث ہے (جلد ثانی ص۴۶۷ ملاحظہ ہو) اب سنئے ہمارے سلطان بے ملک نے اس حدیث میں کافی خیانت سے کام لیا ہے، اور اس حصہ کو حذف کر دیا ہے جس سے آپ کے دعوی عموم کو صدمہ پہونچتا تھا۔ اگر علامہ کے لب و لہجہ میں لکھا جاوے تو یوں لکھ سکتے ہیں کہ رگ بریلویت جہاں جہاں فنا ہوتی ہے، اسے یہ سلطان الدولہ حلوا کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔ پوری حدیث کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ قرب قیامت میں جب لوگ خروج دجال کی خبر سنیں گے تو دس گھوڑ سوار آدمیوں کو طلیعہ یعنی جاسوس بنا کر بھیجیں گے۔ کہ دریافت حال کریں۔ اب حضور ان دس سواروں کے متعلق فرماتے ہیں، ان کے اور ان کے باپ کے نام سے اور

ان کے گھوڑوں کے رنگ سے بیں واقف ہوں ۔

ناظرین کرام ! کیا دس آدمیوں کے نام و نسب اور دس گھوڑوں کے دس پانچ رنگ کی واقفیت سے آدمی حاضر و ناظر ہو سکتا ہے ؟ ہمارا عقیدہ ہے کہ بیشک آپ کو بطور معجزہ اس کا علم تھا، لیکن آپ کے دعوی عام کے لئے یہ دلیل خاص غیر مفید ہے، کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ تمام عالم اجسام عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان، عالم ملائکہ، عرش، فرش اور لوح محفوظ غرض ہر چیز پر حضور کی نظر ہے (جبر الانبیاء صلاا) اس لمبے چوڑے دعویٰ کے لئے دس سواروں، اور دس گھوڑوں کے علم کو دلیل بنا کر پیش کرنا نہایت مضحکہ خیز حرکت ہے ۔

کیوں جی مولانا ! اگر آپ دس آدمیوں سے مع ان کے باپ کے نام کے واقف ہوں، اور ان کے دس بیلوں کے رنگ سے بھی واقف ہوں، تو کیا آپ کے عقیدت مندوں کے لئے یہ جائز ہو گا کہ وہ اتنا لمبا دعویٰ کریں، کہ ہمارے حلوا ملیدہ کے مولانا، حاضر و ناظر، ہیں اور تمام عوالم عرش ، فرش و لوح محفوظ پر ان کی نظر ہے، اگر یہ دعویٰ غلط ہے اور یقیناً غلط ہے ، تو اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دس سواروں سے متعلق بطور معجزہ علم رکھنے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ ہم نبی اکرم کو تمام ماکان و مایکون اور لوح محفوظ کے تمام مندرجات پر حاضر و ناظر ٹھہرا دیں ۔ بہرحال چونکہ دس سواروں کا ذکر آجانے سے آپ کی یہ دلیل نہیں بن سکتی تھی ۔ اس لئے مولانا نے اس کو یکدم نسیاً منسیا کر دیا گویا نہ کوئی مشکوٰۃ کو دنیا میں دیکھ سکنے والا ہے اور نہ مسلم و نووی کی طرف

کوئی مراجعت کرنے والا ہے۔

علامہ صاحب! ہم تو آپ کے بہت قریبی پڑوسی ہیں۔ آپ اپنی خیانت ہم سے نہیں چھپا سکتے سنئے ؎

ہم نظر بازوں سے تو چھپ نہ سکا جان جہاں
تو جہاں جا کے چھپا ہم نے وہیں دیکھ لیا

═══

# علم غیب کی بحث

**علم غیب کی بحث** چھ دلیلوں کے لکھنے کے بعد مولانا نے علم غیب کی مستقل سرخی دے کر اس کی بحث غلط مبحث کے طور پر چھیڑ دی ہے اس لئے ہم کو بھی مناسب ہے کہ ہم بھی اس جگہ علم غیب کی بحث سے فارغ ہولیں۔ مولانا سنئے! نبی صاحبِ نبوت کو کہتے ہیں، اور نبوت کے معنی ہی ہیں غیب کی خبر دینا۔ حدیث بخاری الرّؤیا جزء من ستّۃ وّ ارب بعین جزء من النبوّۃِ کے تحت میں فتح الباری میں مرقوم ہے۔ یراد بالنبوۃ فی ھذا الحدیث الخبر بالغیب لا غیر (فتح پ ۲۸ ص ۴۷۷) پس نبی کے معنی ہوئے غیب کی خبر دینے والا اب غیب کی تعریف ملاحظہ ہو۔ تفسیر کبیر میں ہے۔ قول الجمہور المفسرین ان الغیب ھو الذی یکون غائبا عن الحاسۃ (ج ۱ ص ۲۵) تفسیر بیضاوی میں ہے الخفی الذی لا یدرکہ الحس ولا یقتضیہ بداھۃ العقل (بیضاوی ص ۱۴) اس غیب کو بلا واسطہ جاننے والا عالم الغیب ہے جو خدا کے سوا اور کوئی نہیں اور جو چیز کسی کے بتلانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں، نہ اس کا جاننا علم غیب ہے، ارشاد ہے عالم الغیب ولا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی

من رسول (سورہ جن) عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، مگر جس رسول کے لئے وہ پسند کرے بقاعدہ علم منطق دیکھیئے کہ آیت میں مستثنیٰ منہ (لا یظہر علی غیبہ احدا) سالبہ کلیہ ہے، جس کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے، پس ثابت ہوا کہ رسولوں کو بعض امور کی اطلاع دی جاتی ہے اور جو چیز بتلانے سے معلوم ہوتی ہے وہ غیب نہیں کیونکہ اگر رسول بواسطہ اعلام الہٰی اطلاع پانے سے غیب کے عالم ہو سکتے تو اللہ تعالیٰ تنہا اپنے کو عالم الغیب نہ کہتا، اور رسول سے انکار نہ کراتا، جیسا کہ ارشاد ہے۔ لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب پس پیغمبروں کے لئے نہ تو تمام غیوب کا علم ثابت ہے، اور نہ وہ معلوم کرائی ہوئی بات "غیب" رہ جاتی ہے، تفسیر مدارک میں زیر آیت قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ (نمل) غیب کی تعریف مرقوم ہے۔ والغیب مالم یقم علیہ دلیل ولا اطلع علیہ مخلوق (مدارک مصری جلد ۳ صفحہ ۳۹) یعنی غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور نہ اس پر مخلوق کو اطلاع ہوا اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز کسی دلیل وعلامت سے معلوم ہو یا اس پر کسی مخلوق کو اطلاع دے دی جاوے وہ غیب نہیں رہ جاتی، اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے۔ لوکنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء (سورہ اعراف ع ۲۳) اس آیت میں لوکنت اعلم الغیب مقدم باقی آخر تک تالی ہے تقدیر آیت یوں ہے۔ لوکان الرسول یعلم الغیب لاستکثر من الخیر

وما مسه السوء یعنی اگر رسول علم غیب کلی جانتے ہوتے تو تمام خیر جمع کر لیتے، اور تمام حوادث اور شرور سے محفوظ رہتے، الکن قد مسه السوء ولم یستکثر من الخیر اب چونکہ رفع تالی مستلزم ہے رفع مقدم کو لہذا نتیجہ صاف ہے کہ ما کان یعلم الغیب کہ حضور علم غیب کلی نہیں رکھتے تھے۔

## ساتواں مغالطہ اور اس کا جواب

قبر کے فرشتے منکر نکیر میت سے پوچھیں گے (حضور کو سامنے لا کر) کیا کہتا تھا تو اس آدمی کے بارے میں۔ مولانا لکھتے ہیں کہ ھذا الرّجل سے مراد آنحضورؐ کی ذات شریف ہے پس ثابت ہوا کہ حضورؐ میت کے سامنے لا کر اور دکھا کر کے قریب کر کے پوچھتے ہیں کیونکہ ھذا اشارہ قریب ہے اب چونکہ ایک وقت میں ہزاروں مردے ہزاروں جگہ دفن ہوئے پس اگر حضورؐ حاضر و ناظر نہ ہوں تو ہر جگہ جلوہ گری کیسے ممکن ہو گی؟

**الجواب:-** اس روایت کے الفاظ مختلف ہیں سب کو سامنے رکھ کر اس کا فیصلہ کرنا چاہیئے کہ حدیث سے اصل مراد کیا ہے؟ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں یہ صراحت نہیں فرمائی، کہ جب کوئی بشر فوت شدہ دفن کیا جاتا ہے تو میں اس کی قبر میں تشریف لے جاتا ہوں۔ نہ ہی یہ قول صحابہ یا تابعین میں سے کسی بزرگ کا ہے کہ حضورؐ ہر شخص کی قبر میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ پھر یہ عقیدہ کہ حضورؐ ہر قبر میں تشریف لے جاتے ہیں، اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکلیف اور تنگی میں ڈالنا لازم آتا ہے۔ اس مفروضہ سے حضورؐ بجسدہ الشریف کسی وقت بھی روضۂ اطہر میں رہنے نہ پاویں گے، کیونکہ

مشرق، مغرب، شمال، جنوب پوری دنیا میں جب ہر آن ہر سکنڈ اور ہزاروں میل کی مسافت پر ہزاروں دفن ہو رہے ہیں، تو بیک وقت ہزاروں جگہ بجسدہ الشریف آپ کا پہونچنا، حاضری دینا سخت باعث تکلیف، اور موجب پریشانی ہے، کوئی افسر خواہ کتنا ہی بڑا ذمہ دار ہو ہرگز اس کو پسند نہ کرے گا کہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں مسلسل دورہ پر رہے، اور اپنی منزلِ عشرت میں ذرا بھی ٹکنے نہ پائے۔ جب ہمارے بریلوی مشن کے یہ علامہ حضورؐ کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ حضور ہر جگہ ہر میّت کے پاس حاضر کیئے جاتے ہیں (جیسا کہ رسالہ خیر الانبیاء صـ۱۶ میں مولوی عتیق الرحمٰن نے لکھا ہے کہ قبر میں آپ کی ذات شریف کو حاضر کرتے ہیں) تو اب انصاف سے فرمایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلسل دورہ ہی میں پھرتے رہنا لازم آیا یا نہیں؟ اگر لازم آیا اور یقیناً لازم آیا، تو روضۂ اطہر میں پھر کس وقت آرام فرما سکتے ہیں، اور جنت کے باغ و بہار سے لطف اندوز ہونے کا موقع یہ لوگ کب دیتے ہیں؟ کون سا سکنڈ خالی بتلاتے ہیں، مجھے ذرا اطلاع دیں گے۔ افسوس ایسی بات مانتے اور منوانا چاہتے ہیں جس کی غلطی ادنیٰ فکر سے واضح ہو جاتی ہے۔ خیر اب آیئے آپ کی روایت کی تحقیق کے بارے میں کچھ عرض کر دوں تاکہ ایسی افسوسناک بات لازم نہ آئے۔ پس سنیئے! بعض روایت میں ہے کہ ماھٰذا الرجل الذی بعث فیکم (فتح الباری پ۵ صـ۲۰۴) اور بعض میں ہے کہ ماتقول فی ھٰذا الرجل محمد۔ (بخاری جلد اول عن انس باب عذاب القبر)

اور بعض میں ہے کہ فرشتے میت سے سوال کرتے ہیں مَن ربّک وما دینک ومن نبیک (مشکوٰۃ باب عذاب القبر) ان تمام الفاظ و روایات سے ظاہر

ہوتا ہے کہ آپ میّت کے سامنے پیش نہیں کیے جاتے، بلکہ آپ کے وصف رسالت ونبوت کی بابت سوال کیا جاتا ہے جیسا کہ پہلی روایت میں ہے کہ جو آدمی تمہاری طرف مبعوث کیا گیا تھا اس کو تم کیا سمجھتے ہو، اور دوسری تیسری روایت ہے کہ تم رجل محمد کو کیا سمجھتے تھے، الغرض جب احادیث صحیحہ میں لفظ محمد تصریح وارد ہے تو مبہم ومجمل روایت کو بھی اسی پر محمول کرنا واجب ومتعین ہے پس خلاصہ یہ ہوا کہ فرشتہ آپ کے وصف رسالت سے متعلق اس طرح سوال کرے گا کہ رجل مبعوث کون تھے یا محمد کون تھے یا تمہارے نبی کون تھے؟ سوال کا طرز بتا رہا ہے کہ سوال غائبانہ ہو رہا ہے پس حضورؐ کی ذات شریف اور جسد اطہر کا ہر جگہ اور ہر قبر میں حاضر ہونا اس سوال میں کسی طرح بھی مفہوم نہیں ہوتا۔ آپ کو اپنے ھذا پر ناز ہے کہ یہ اشارہ قریب کے لئے آتا ہے تو سنئے منطق کی ایک کتاب شرح تہذیب ہے اس کے متن میں ھذا غایۃ تھذیب الکلام میں لفظ ھذا موجود ہے۔ شاید آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ ھذا کا اشارہ معلومات ذہنیہ معہود فی الذہن کی طرف ہے وہی یہاں بھی مراد ہو سکتا ہے، چنانچہ علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ ھذا سے اس چیز کی طرف اشارہ ہے جو ذہن میں ہے۔ اس صورت میں آپ کا محسوس وموجود فی الخارج ہونا اور ہر قبر میں حاضر بجسدہ الشریف رہنا لازم نہ آیا۔

## شاہ عبدالحق صاحبؒ کی بہترین توجیہ

ہمارے علامہ نے شیخ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی کا قول اس طرح لکھا ہے کہ حضورؐ کی ذات شریف ہر میت کے قبر میں حاضر کی جاتی ہے، یہی آپ

کی ایک سند ہے، مگر آپ نے ایک زبردست خیانت کی ہے کہ جو احتمال ضعیف اور ابعد تھا۔ اسے آپ نے لے لیا اور جو توجیہ قوی اور اقرب الی العقل ہے، اسے آپ ہضم فرما گئے۔

ناظرین کرام! شاہ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی نے اس موقع پر دو احتمالات لکھے ہیں۔ ایک تو وہی جو علامہ نے لکھا ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ "اس مدفون بندہ کے درمیان سے پردہ اٹھایا جاتا ہے یہاں تک کہ قبر والا میت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا ہے، پھر لکھتے ہیں، یہ اور بھی نعمت عظمیٰ ہے" معلوم ہوا کہ خود شاہ صاحب پہلے احتمال سے اس توجیہ کو اولیٰ و اعلیٰ سمجھتے ہیں اور یہی بات قرینۂ عقل بھی ہے، کیونکہ اس صورت میں حضور ص اپنے روضۂ اطہر میں موجود بھی رہتے ہیں اور سوال بھی باقاعدہ ہو جاتا ہے، اور پہلی صورت میں حضورؐ کی ذات شریف کے ہر جگہ حاضر کئے جانے رہنے میں سخت بے ادبی اور بدتمیزی لازم آتی ہے، کیونکہ حضور اس مجوزہ احتمال کی بنا پر ایک دن ایک رات بھی چین سے روضۂ اطہر میں آرام کرنے نہیں پاتے۔ آدمی خواہ ہوائی جہاز کے پروں پہ اڑے لیکن اگر وہ رات دن دورہ میں رہے اور اپنی منزل میں آرام کا موقع نہ پائے تو اس جینے سے موت کو اچھا سمجھے گا۔ ہمارے علامہ کو تو اپنا مطلب نکالنا تھا اس لئے ہر قبر میں حضور کو حاضر ٹھہرا دیا اور یہ نہ سوچا کہ اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی دل تنگی اور صعوبت میں چھوڑنا لازم آتا ہے آپ کے رویہ پر یہ شعر صادق ہے ؎

بلا سے ان کی ادا کوئی بدنما ہو جائے
کسی طرح سے تو مٹ جائے ولولہ دل کا

## اسم اشارہ ھذا پر ایک لطیف بحث

ہاں اگر یہ کہیں کہ روضۂ اطہر بعض مدفون سے تو بہت دور بھی ہوگا تو ھٰذا سے اشارہ کس طرح جائز ہوا کیونکہ ھٰذا اشارۂ قریب کے لئے آتا ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ جس چیز کو انسان دیکھ لے تو اگرچہ وہ چیز آسمان پر ہو لیکن نگاہ کی گرفت میں آجانے کے سبب وہ قریب ہی سمجھی جاوے گی، اس لئے اس کی طرف ھذا سے اشارہ ہو سکتا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے جب رب کی تلاش میں رات کو ایک روشن ستارہ دیکھا تو فرمایا ھذا ربی جب وہ ڈوب گیا اور دن کو سورج نکلا ہوا دیکھا تو فرمایا ھٰذا ربّی ھذا اکبر اب سوچیئے کہ آفتاب بقول مفسرین فلک رابع پر ہے اور بقول علماء سائنس سورج ساڑھے نو کروڑ میل کے فاصلہ پر ہے (از دو قرآن مولفہ برق صاحب پی۔ ایچ ڈی ص۱۴۱) تو ایسے بعید بلکہ ابعد چیز کی طرف ھذا سے اشارہ کرنا ثابت ہے۔ بس اسی طرح جب اہل قبر کے لئے پردہ اٹھا دیا گیا تو اس نے حضورؐ کو دیکھ لیا تو اس وقت آپ کے محسوس و مرئی ہو جانے کی وجہ سے اشارہ ھذا سے کرنا درست رہے گا، ولا بعد فیہ الحاصل حضور کا ہر قبر میں تشریف لانا ہر طرح سے باطل ہوا اور مزار شریف میں آپ کا رونق افروز رہنا ہی عقلاً و نقلاً درست ہے۔

## ایک افسوسناک خیانت

علامہ نے دوسری افسوسناک خیانت یہ کی ہے کہ شاہ صاحب کے پچھلے احتمال کے لفظوں کا ترجمہ غلط کیا ہے شاہ صاحب تو لکھتے ہیں بایں طریق کہ در قبر مثال وے علیہ السلام حاضر ساختہ می باشند۔ فرماتے ہیں۔ حضور کی ذات شریف کے حاضر کئے

جانے کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی مثال اور تصویر یا عکس قبر میں حاضر کی جاتی ہے، تو چونکہ اس ترجمہ کی رو سے خود حضور کی ہر قبر میں حاضری ثابت نہ ہوئی بلکہ آپ کے عکس و فوٹو کی حاضری ثابت ہوتی ہے، اس لئے علامہ نے ترجمہ سے مثال کا لفظ ہی اڑا دیا اور صاف لکھ دیا کہ "وہ قبر میں حضور علیہ السلام کو حاضر کر دیتے ہیں" (جبر الانبیاء ص۱۶) واہ رے مولانا شاباش! ترجمہ میں ایسی ناپاک چال اور عوام کو استاد ھو کہ اور دن اجالے ایسا ڈاکہ۔ کیا سچ ہے ؎

چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

## ایک عقلی گرفت

سلطان بے ملک! ذرا یہ بھی سوچیئے کہ حضرت اقدس کے زمانہ میں بھی مسلمان فوت ہوتے رہے، اور حضرت نے خود ان کا جنازہ پڑھا اور وہ آپ کے سامنے دفن کئے گئے اور فرشتوں نے ان مردوں سے بھی سوال کیا کہ ما تقول فی ھذا الرجل تو اس شخص کے بارے میں کیا رائے رکھتا تھا، تو اگر آپ کی یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ حضورؐ کی ذات شریف ہر قبر میں حاضر کی جاتی ہے۔ تو لازم آتا ہے کہ آپ حضرات حضورؐ کو زندہ درگور کرنے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں۔ عقل سے سوچیئے کہ مسلمان مکہ، مدینہ، طائف، یمن، حبشہ وغیرہ مقامات میں اور معرکہ ہائے کارزار میں اور نہ معلوم کہاں کہاں کے لوگ حضور کی حیات مبارکہ میں فوت ہوتے تھے، تو ہر جگہ کی قبر میں حضورؐ کی ذات شریف کے حاضر کرنے سے کتنی قباحت لازم آتی ہے، اور آپ کی پوری حیات مبارکہ ہی زندہ درگور ہو جاتی ہے۔
ایک حدیث بھی توضیح مقام کے لئے پیش کی جاتی ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ

روایت کرتے ہیں۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا لہ بالتثبیت فانہ الآن یسئل (ابوداؤد) یعنی حضور ؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ جس وقت میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پہ ٹھہرتے اور فرماتے کہ سب لوگ اپنے بھائی کی مغفرت اور اس کی ثبات قدمی کے لئے دعا مانگو، کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جاتا ہے، اس حدیث سے صاف ظاہر ہے، کہ میت سے مَنْ رَبُّکَ وَمَنْ نبیک وغیرہ کے سوال کے وقت حضور ؐ میت کے قبر میں نہیں بلکہ عین اس وقت بھی حضور صحابہ کرام میں رونق افروز رہتے ہیں۔ باریک بینی کیجیے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا موقع کوئی شخصی واقعہ نہیں ہے بلکہ عام عادت مبارکہ کی وجہ سے موجبہ کلیہ کے درجہ کا ہے۔

الحاصل علامہ بے علوم کی یہ قیاس آرائی کہ حضور ؐ ہر قبر میں تشریف لے جاتے ہیں بہر نوع باطل ولغو ٹھہری۔

علاوہ ازیں اگر یہ دلیل غیر مخدوش وسالم رہ جاتی تو بھی زیادہ سے زیادہ اس سے قبروں کی حاضری کا مسئلہ نکلتا جو خاص ہے، اور آپ کے دعویٰ عام کے لئے مثبت نہیں ہوسکتا، کیونکہ قبروں کی حاضری سے لوح محفوظ عرش فرش، عالم اجسام، شجر، حجر، حیوانات، جمادات وغیرہ کے پاس حاضر ہوتے کا مسئلہ کسی طرح نکل نہیں سکتا۔ ہمارے علامہ کو چاہیئے کہ اس دلیل میں متعدد خیانتوں اور دغابازیوں کو دیکھ کر خود ہی فیصلہ کرلیں کہ وہ سلطان المناظرین ہیں یا سلطان الخائنین؟ ع

بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

## مسئلہ عرس اور اس کی تردید

مولانا نے حضورؐ کی ذات شریف کو قبر میں حاضر ہونے کی بنیاد پر عرس کا مسئلہ قائم کر دیا ہے کہ "چونکہ اس دن میت کا حضورؐ سے وصال ہوتا ہے اس لئے اس دن عرس منایا جاتا ہے۔ عرس کے معنیٰ ہیں شادی کے اور اس دن عروس یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولھا کے دیدار کا دن ہے" اس لئے ہم اس جگہ اس عرس کی بھی تردید کئے دیتے ہیں۔

پس سنئے! اول تو یہ عرس کی بنیاد ہی غلط ثابت ہو گئی، کیونکہ حضورؐ کی ذات شریف قبر میں نہیں آتی ہے تو وصال کیسا اور عروس کی ملاقات کیسی؟

دوسری بات یہ ہے کہ سید الانبیاء نے قبروں پر میلہ ٹھیلہ لگانا عرس شادی و عید منانا منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ابو داؤد شریف کی حدیث ہے حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا تجعلوا بیوتکم قبورا ولا تجعلوا قبری عیدا (رواہ ابو داؤد والحدیث حسن جید الاسناد کتاب المناسک باب زیارۃ القبور) یعنی اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ۔

فتح القدیر میں اس کی توضیح میں لکھا ہے معناہ النھی عن الاجتماع لزیارتہ کاجتماعھم للعید یعنی میری زیارت کے لئے کوئی اجتماع نہ قائم کرو جس طرح کہ عید کے لئے کرتے ہو۔ پس جب حضورؐ

کی بابت اور مقدس قبر کے ساتھ یہ سلوک جائز نہیں ہے تو دوسری قبروں کے لئے بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں ہوگا، چنانچہ علامہ مناوی لکھتے ہیں۔ ویوخذ منہ ان اجتماع العامۃ فی بعض اضرحۃ الاولیاء فی یوم او شھر مخصوص من السنۃ ویقولون ھذا یوم مولد الشیخ ویاکلون ویشربون وربما یرقصون فیہ منھی عنہ شرعًا وعلی ولی الشرع ردعھم علی ذالک وانکارہ علیھم وابطالہ انتھی۔

(عون المعبود جلد ثانی کتاب المناسک باب زیارۃ القبور)

علامہ مناوی لکھتے ہیں کہ یہیں سے یہ مسئلہ نکلا کہ عوام کا جو میلہ بعض اولیاء کے قبروں پر مخصوص دنوں میں لگتا ہے اور وہاں لوگ کھاتے، پیتے اور ناچتے، بجاتے خوشی مناتے ہیں، یہ شرعًا ناجائز ہے، اگر شریعت کا کوئی والی اور سلطان ہو تو اسے چاہئے کہ ان لوگوں کو اس حرکت سے سختی سے روک دے اور اس قسم کے عرسوں اور میلوں کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع کر دے۔

ناظرین کرام! اس صحیح حوالہ سے عرس کا ناجائز ہونا صاف طور پر ثابت ہو گیا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحبِ طاقت کو اس کا مٹا دینا بھی ضروری ہے۔ قبروں کو مسجد بنانا، اور ان پر قبوں کا قائم کرنا، وہاں میلہ عرس قائم کرنا، سب ناروا اور فرمان شریعت کے خلاف ہے، اگر طاقت ہو تو اس منکر کے مٹا دینے میں دریغ نہیں ہونا چاہئے۔ امام شافعیؒ کے زمانہ میں حکام اسلام ایسی قبہ دار قبروں کو منہدم کر دیتے تھے اور فقہاء ان پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔ امام شافعیؒ نے اس کو کتاب "الام" میں لکھا ہے اور علامہ نووی نے شرح مسلم میں بھی ان کا یہ قول نقل کیا ہے (الھدیۃ السنیۃ حاشیۃ سید رشید رضا ص ۹۰)

اسی طرح ابن حجر ہیثمی کے الزواجر میں فقہا کا یہ قول منقول ہے۔ وتجب المبادرۃ لھدمھا وھدم القباب التی علی القبور اذھی اضرمن مسجد الضرار (الزواجر جلد اول ص۱۲۰ مطبع وہبیہ) ان قبوں کو جو قبروں پر تعمیر کئے گئے ہیں فوراً منہدم کر دینا چاہئے، اس لئے کہ یہ مسجد ضرار سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ فتاویٰ عزیزیہ میں شاہ عبدالعزیز رح لکھتے ہیں :۔

"جمع شدن بر قبر ابن است کہ مردماں یک روز معین کردہ دلباسہائے نفیس پوشیدہ بر قبرہا جمع می شوند رقص و مزامیر و دیگر بدعات ممنوعہ مثل سجود برائے قبور وطواف کردن قبور می نمائند این قسم حرام و ممنوع است بلکہ بعضے بحد کفر می رسند (فتاویٰ عزیزی جلد اول ص۴۶)

یعنی دن مقرر کر کے قبروں پر جمع ہونا اور گانا، باجا کرنا اور سجدہ کرنا حرام وناجائز بلکہ بعض کفر ہے، اس تفصیل سے عرس کا عدم جواز واضح ہو گیا، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر طاقت ہو تو ان شرک آلود اور بدعت آمیز عرسوں کو مکمل طور پر ختم کر دینا چاہئے۔ جیسا کہ امام شافعیؒ کے زمانہ اواخر دوصدی ہجری میں ہوتا رہا۔ لیکن آہ آج ہند میں اسلام کے پاس یہی طاقت ہی تو نہیں ہے، اسلئے ایک جماعت کی زبانیں حلوا مانڈا، گیارہویں کی نیرنی، بارہویں کی شیرنی کے چٹخارے لے رہی ہیں، ایک جماعت کے قلم کفربازی وہابی نوازی اور نجدی سازی کے جوہر دکھا رہے ہیں۔

بہرحال اسلام جو انسانوں کے لئے دینی و دنیوی، سیاسی و اخلاقی وجملہ اقتصادی ومعاشرتی امور کا ایک مکمل نصاب تھا، اس کو

بریلوی ملّاؤں نے چلّوں اور چہلموں، گیارہویں اور بارہویں، نتیجہ، دسویں قوالیوں، عرسوں وغیرہ لایعنی عقیدوں کا مجموعہ بنا ڈالا۔

اے مسلمان! تجھے کیا ہونا تھا اور تجھ کو تیرے کرگس صفت ملّا کیا بنا رہے ہیں۔ تجھے ان مسائل میں ڈال رکھا ہے جن کا تعلق دین سے ہے نہ دنیا سے۔

حضرت اقبال رح ایسے ہی فریب خوردہ قوم پر افسوس کر کے کہتے ہیں ؎

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی

## آٹھواں مغالطہ اور اس کا جواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ و جعفرؓ و ابن رواحہ کی شہادت کی خبر میدان جہاد سے اطلاع آنے سے قبل دے دی یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلوار خالد بن ولید نے لیا اور اللہ نے فتح نصیب فرمائی۔ ہمارے علامہ لکھتے ہیں "اس سے معلوم ہوا کہ "بیر معونہ" جو مدینہ سے بہت دور ہے وہاں جو کچھ ہو رہا تھا اس پر مدینہ منورہ سے حضورؐ کی نظر پڑ رہی تھی اس لئے حضورؐ حاضر و ناظر ہوئے"

**الجواب:-** اس روایت میں چار آدمیوں کے حالات کی اطلاع حضورؐ نے صحابہ کرام کو دی۔ یہ واقعہ غزوہ موتہ کا ہے (زاد المعاد جلد اول) لیکن اس سے "غیب کلی" یا ہمہ زماں و ہمہ مکاں حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ حضورؐ نے ان کے حالات کی اطلاع وحی الٰہی کے مطابق دی تھی اور یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام اس کو حضورؐ کا ایک مستقل معجزہ قرار

دیتے ہیں، چنانچہ یہ روایت مشکوٰۃ شریف میں کتاب المعجزات کے تحت وارد ہوئی ہے۔ ذرا دقتِ نظری سے کام لیجئے تو اس کا معجزہ ہونا صاف واضح ہو جائے گا۔ حضورؐ نے اس ترتیب کو خود ہی قائم فرمایا تھا کہ جھنڈا پہلے زید لیں گے، وہ نہ ہوں گے تو جعفر لیں گے، اور ان کے بعد ابن رواحہ اور حارثہ، اسی ترتیب کے مطابق واقع بھی ہوا، تو یہ سارا بیان معجزہ ہوا۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، فکان ھذا معجزۃ (مرقاۃ علی حاشیہ مشکوٰۃ ص۵۳۳)

ناظرین کرام! ہمارے علامہ ہر جگہ معجزات کا انکار کرتے اور حاضر و ناظر ثابت کرنے کے لیے چشم دید کی بات اپنی طرف سے بڑھا دیتے ہیں ذرا مولوی صاحب سے پوچھئے کہ میدان جنگ کے چار آدمیوں کے حالات کی اطلاع کے لئے انھوں نے مشاہدہ ضروری کیوں سمجھا کیا بغیر آنکھوں سے دیکھے ہوئے وحی الٰہی کے ذریعہ معرکۂ کارزار کے احوال کی اطلاع آپ کو نہیں مل سکتی تھی۔ علاوہ ازیں یہ بھی مولانا سے پوچھئے کہ آپ کی اس دلیل خاص سے دعوئ عام کیسے ثابت ہو گیا کیا چار آدمیوں کے حالات کی اطلاع سے تمام جہان کے برگ وبار، شجر و حجر، لعل و گہر، رطب و یابس کی اطلاع کا دعویٰ ثابت ہو سکتا ہے؟

## معجزہ کا انکار

حضرت خالدؓ کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ترتیب نہیں قائم کی تھی، لیکن زید و جعفرؓ و ابن رواحہؓ کی شہادت کے بعد اہل الرائے کے مشورہ کے مطابق فوراً حضرت

خالدؓ نے عسکر اسلامی کی کمان سنبھال لی اور فتح حاصل ہوئی۔ مولانا معاف کیجئے! اگر نظر نبوت عالم ارواح، عرش، فرش بلکہ لوح محفوظ پر تھی (خیر الانبیاء صـ۱۴۱) تو کیوں آپ نے حضرت خالدؓ کا نام نہ لیا اور جنگ کی کمان ان کے حوالہ کیوں نہ فرمائی؟ کیا لوحِ محفوظ میں حضرت خالدؓ کا نام نہ تھا؟ آپ ہر چیز پر حضورؐ کی نظر ثابت کرنے کے لئے ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں اور محدثین و شارحین کے بیان کردہ مطالب سے بھاگ کر اپنا وقار کھوتے ہیں، سارے محدثین اس کو معجزہ ٹھہرا کر کتاب المعجزات میں لاتے ہیں، اور آپ اس کو معجزہ نہیں سمجھتے کیونکہ کسی دور میں نظر سے دور کی چیز دیکھنا معجزہ نہیں کہلاتا ورنہ آج سارے اہل امریکہ اصحاب معجزات ہی ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ بڑی دور دور کی چیزیں اپنی طاقت ور دوربینوں سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ کے نگاہ ذرا تیز ہو اور آپ دور تک کوئی چیز دیکھ لیں، مثلاً دو چار میل تک کی تو کیا یہ بھی معجزہ ہوگا؟ حضرت عباسؓ کی آواز آٹھ میل تک جایا کرتی تھی (جلد ۱ پ) لیکن صحابہ کرام اس کو معجزہ نہیں سمجھتے تھے۔ پس معجزہ وہی ہوگا جو چیز بغیر آلات ظاہری چشم و گوش وغیرہ کے محض وحی الٰہی کے ذریعہ سے معلوم و محسوس کرائی جائے، پس اس اعتبار سے حضورؐ کی قوت نظر خواہ تمام جہان کے برقی لیمپوں سے زیادہ روشن اور تمام دنیا کی مجموعی قوت نظر سے زیادہ تیز ہو اور وہ دور دور تک کی خبر لے لیتی ہو تو بجائے خود اگرچہ بہت باعظمت بات ہوگی لیکن یہ معجزہ نہ ہوگی۔ پس آپ کا جو جی چاہے تسلیم کیجئے، یا معجزہ کا انکار کیجئے، یا پھر اپنا حاضر و ناظر کا یہ استدلال واپس لیجئے۔

## نواں مغالطہ اور اس کا جواب

وَانّ موعدکم الحوض وانی لانظر الیہ ولنا فی مقامی ھذا ۔

ترجمہ :- تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے اور میں اس کو اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق آئندہ واقعات اور دور قریب کے حالات اور حوض کوثر وغیرہ پر نظر رکھتی ہے (خیر الانبیاء ص۱۷)

**الجواب :-** ہمارے علامہ صاحب نے یہاں دو خیانتیں کی ہیں ایک عبارت میں دوسری ترجمہ میں۔ ملاحظہ کیجئے، پوری عبارت یہ ہے "ثم طلع المنبر فقال انی بین ایدیکم فرط وانا علیکم شہید وان موعدکم الحوض وانی لانظر الیہ وانا فی مقامی ھذا۔

ترجمہ :- پھر آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ میں تمہارا پیش خیمہ ہوں اور تمہارے اوپر شاہد ہوں، (شاہد کی تحقیق مفصل گذر چکی ہے) بیشک ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے، اور میں اس کو دیکھ رہا ہوں درآنحالیکہ میں اس مقام میں ہوں۔ مولانا نے ثم طلع المنبر حذف کر دیا وانا فی مقامی ھذا کا یہ غلط ترجمہ کر دیا کہ میں اس کو اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں جس سے بظاہر یہ سمجھا جائے گا کہ حضورؐ گویا یہ فرماتے ہیں کہ میں کوثر کو اس جگہ یعنی مدینہ سے بیٹھے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ حالانکہ حضور اپنی اس نظر کو منبر پر قائم رہنے کے حال کے ساتھ وابستہ فرماتے ہیں۔ اور چونکہ اس سے عموم نظر ثابت نہیں ہو سکتا تھا اس لئے علامہ نے وانا فی مقامی ھذا کے جملہ حالیہ میں حال کا ترجمہ چھوڑ دیا اور اس کو ذمہ

کی شکل دے دی جوکہ اصول نحو کے بالکل خلاف ہے کیونکہ دائمہ قرار دینے میں حال ذوالحال کا قاعدہ باطل ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو رضی شرح کافیہ بحث حال) پس واؤ حالیہ کا لحاظ کرتے ہوئے اصل ترجمہ یہ نکلا کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں حوض کو دیکھ رہا ہوں درآنحالیکہ میں اس منبر پر ہوں، جیسے کوئی آگرہ پہونچ کر تاج محل کے روضہ کو دیکھنے جائے اور اس کے بڑے مینار پر چڑھ کر کہے کہ میں آگرہ کو دیکھ رہا ہوں درآنحالیکہ میں اس مینارے پر ہوں۔ تو کیا کوئی خوش فہم اس کا یہ مطلب قرار دے سکتا ہے کہ وہ اس منارہ سے علٰحدہ ہونے کے بعد بھی دائماً شہر آگرہ کو دیکھتا ہے۔ ہرگز اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا، پس حضور جامع الکلم تھے، آپ کے الفاظ زائد نہیں ہو سکتے بس وانا فی مقامی ھٰذا کی قید بریلوی حضرات کی تردید کی خاطر زبان فیض ترجمان سے نکلی ہے ــــ

الحاصل زیادہ سے زیادہ آپ کا منبر پر چڑھنے کے اس خاص موقع پر حوض کوثر کو دیکھنا ثابت ہوا اور یہ آپ کا کشف اور ایک خاص معجزہ ہے چنانچہ محدثین کرام شکر اللہ سعیھم نے باب الکرامات والمعجزات میں اس حدیث کو داخل کیا ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔ فیہ معجزات لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(حاشیہ مشکوٰۃ ص۵۴۷)

شرح عقائد نسفی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات بطریق کشف یا الہام خداوندی سے معلوم ہوتی ہے وہ معجزہ ہے نہ غیب، چنانچہ منہ تصدیق الکاھن کے تحت ص۲۲۲ پر لکھتے ہیں۔ وبالجملۃ العلم بالغیب

امر تفرد به اللّٰہ لا سبیل الیہ للعباد الا باعلام اللّٰہ او الھام بطریق المعجزۃ او الکرامۃ یعنی غیب کا علم اللّٰہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ بندوں کو اس میں کچھ دخل نہیں بجز اس اعلام الٰہی کے جو بطریق معجزہ و کرامت حاصل ہوتا ہے علامہ صاحب عقائد نسفی حنفی رح علمائے احناف میں بڑے فقیہ و بلند پایہ عالم گذرے ہیں۔ پس حضور ص کی یہ اطلاع ایک معجزہ ہے، اس سے حاضر و ناظر کا استدلال کرنا محض خرد ماغی ہے۔ علاوہ ازیں حوض کوثر پہ نظر دلیل خاص بھی ہے جو دعویٰ عام کے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔ فتفکروا ھل فیکم رجل رشید۔

## دسواں مغالطہ اور اس کا جواب

حضرت عمر فاروق رض نے "یا ساریۃ الجبل" فرمایا ان کی نظر وہاں تک تھی تو نظر نبوت کا کیا کہنا (جیر الانبیاء)

**الجواب:** حضرت عمر فاروق رض کی کسی کرامت سے حضور ص کے حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے۔ عتیق الرحمٰن کے سلطان المناظرین ہونے سے رجب علی کا سلطان المناظرین ہونا کیسے لازم آتا ہے۔ منطق کا مشہور قاعدہ ہے الجزئی لا یکون کاسبًا ولا مکتسبا (ملاحظہ ہو سلم العلوم)

یعنی ایک جزئی کے حال مثلاً گاما کی پہلوانی کا حال معلوم ہونے سے دوسرے جزئی کا حال مولانا کا پہلوان ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے۔ ہمارے مولانا کی ہر بات میں کچھ نہ کچھ بدنظمی اور بے استدلالی ضرور ہوتی ہے۔

اعتقاد رکھ کر حاضر وناظر سمجھنا ) کفر ہے۔ بہر حال ہم کرامات اولیاء اللہ صحابہ وغیرہم کے قائل ہیں، مگر اس سے حاضر وناظر یا عالم الغیب ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے ہم کیا ہمارے اور آپ کے ثالث بالخیر مولانا شاہ عبدالحق صاحب بھی اس عقیدہ کو باطل ٹھہراتے ہیں۔ اپنے "منظوم عقائد نامہ" میں فرماتے ہیں ؎

مقال دوم علم وقدرت میں ہے — مجاز اس خطا کا ضلالت میں ہے
وہ کیا ہے سمجھنا کسی کو علیم — خبردار اسرار ہائے قدیم
خدا کے سوا کوئی قادر نہیں — خبردار اسرار و ناظر نہیں
سمجھنا کرامت کا اسرار غیب — سراپا غلط ہے سراپا ہے ریب

## اچھے دوست کی صحیح تعریف

آخر میں علامہ نے دہابیوں (جماعت اہلحدیث) کو دشمن نبی کہتے ہوئے دوست ودشمن پر ایک غلط تقریر کی ہے، لکھتے ہیں " دوست کی نظر خوبی پر ہوتی ہے عیب پر نہیں "، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ دوست دراصل وہ ہے جو صرف خوبی ہی نہ دیکھے بلکہ ہمارے عیب پر بھی نظر کرے اور اس کی اصلاح کرے ـــــ شیخ سعدیؒ لکھتے ہیں

بہ نزد من آں کس ہوا خواہ تست — کہ گوید فلاں خار در راہ تست

ورنہ ایسا دوست جو عیب پر نظر نہ کرے یا عیب دیکھے تو اصلاح کی بجائے خوبی کا پہلو نکالنے لگ جائے (جیسا کہ آپ نے لکھا ہے) وہ نادان دوست ہے، جس کے متعلق یہ فقرہ مشہور ہے۔ " دشمن دانا بہ از دوست ناداں "، غرض ہم آپ کو کہاں تک لکھیں اور کن کن باتوں پر آپ کو توجہ

دلائیں۔ حضرتِ ذوق آپ کے عہد میں ہوتے تو آپ کو داد دیتے اور کہتے ؎

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

## گیارہواں مغالطہ اور اس کا جواب

وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما :۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت ہے۔ مولانا اس آیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب کلی اور حضور علمی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

**الجواب :۔** اول تو ہم کو تعجب ہے کہ اس کو دلائل قرآن کے باب میں کیوں نہ مندرج فرمایا گیا اور اس کو دلائل حدیث کے ذیل میں کس طرح داخل کیا۔ یہ علامہ سے حل طلب ہے کہ اس بے ربطی میں ارتباط پیدا کریں ؟ علامہ " لوکنت اعلم الغیب " کے معارضہ میں " وعلمك مالم تكن تعلم " پیش کر کے علم غیب کلی ثابت کرنا چاہتے ہیں، لیکن اثبات ناممکن ہے، کیونکہ آپ کی دلیل کا مدار حرف ما پر ہے اور کلمۂ ما ہمیشہ عموم اور استغراق کے لئے نہیں آتا۔ قرآن مجید میں ما بغیر عموم کے بکثرت استعمال ہوا ہے ایک جگہ ارشاد ہے ويعلمكم مالم تكونوا تعلمون ۔ ہمارے رسول تم کو وہ باتیں سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے، ایک اور جگہ ارشاد ہے، وعلمتم مالم تعلموا انتم ولا آباءكم یعنی تم کو ان باتوں کی تعلیم دی گئی جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا ۔ ان

دونوں آیتوں میں کلمۂ مَا ہے اگر اس میں عموم و استغراق لیا جائے تو صحابہ کرام کے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح علم کلی ماننا پڑے گا، حالانکہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام مخلوق سے زیادہ ہے، اور علمائے امت نے اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر کی ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی رح لکھتے ہیں، علم غیب مراد لیا، راگفتن کفر است

(ارشاد الطالبین ص۱۸)

آخر کی دوسری آیت میں اکثر مفسرین کے نزدیک خطاب یہودیوں سے ہے، تو آپ کے اخذ عموم کے مطابق لازم آئے گا کہ یہودیوں کو بھی علم غیب کلی حاصل ہے حالانکہ اس کے قائل تو آپ بھی نہ ہوں گے۔

**نوٹ** :۔ اکثر مفسرین کا لفظ یاد رہے تاکہ آپ دھوکہ میں نہ پڑ سکیں۔ پس اسی طرح آپ کی پیش کردہ آیت میں بھی کلمۂ مَا عموم و استغراق کے لئے نہیں ہے، پس آیت کا منشا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلعم کو احکام شرعیہ و اہم حوادث و فتن کے معاملات کی بذریعہ وحی اطلاع دی۔ بہر حال جب آیت میں مَا عموم و استغراق کے لئے نہیں ہے تو علم غیب کلی کا دعویٰ خود ہی ساقط ہو گیا۔

## علم غیب ذاتی و عطائی کی بحث

علامہ نے خلط مبحث فرماتے ہوئے "ولو کنت اعلم الغیب" والی آیت کو دلائل احادیث کے خاتمہ پر لکھ کر یہ تاویل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب ذاتی کا انکار فرماتے ہیں، چونکہ بریلوی مشن میں یہ بڑا چلتا ہوا

مغالطہ ہے، اس لئے اس کے جواب کو پڑھئے۔ ان شاء اللہ یہ مغالطہ مکمل طور پر دور ہو جائے گا۔

سنئے! یہ آیت اہل مکہ کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے، ان کا سوال یہ تھا۔ الایخبرک ربک بالسعر الرخیص قبل ان یغلوا وبالارض التی تریدان تجدب فترحل عنھا الی ماقد اخصبت (معالم وخازن جلد ۲ صـ۲۹۶)

یعنی کیا آپ کا پروردگار گرانی سے پہلے ارزانی کی خبر نہیں دیتا کہ تم سستے میں خرید کر مہنگے میں نفع اٹھاؤ، اور کیا یہ بھی نہیں بتایا کہ فلاں زمین پر قحط پڑنے والا ہے تاکہ آپ وہاں سے کوچ کر کے کسی سرسبز و شاداب علاقہ میں چلے جائیں؟ تو اس کے جواب میں یہ آیت اتری۔ لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء یعنی حضور نے فرمایا کہ اگر مجھ کو غیب معلوم ہی ہوتا تو ضرور بھلائی جمع کر لیتا اور گزند سے محفوظ رہتا۔ یہ جواب اپنے مضمون میں صاف ہے لیکن اگر آپ کی تاویل کے مطابق اس کا مطلب لیا جاوے تو پھر ترجمہ و مطلب یہ ہوگا کہ اگر میں ذاتی طور پر غیب جانتا تو فوائد جمع کر لیتا اور شر ور سے بچ جاتا، لیکن ظاہر ہے کہ یہ جواب کتنا غیر معقول بن رہا ہے کیونکہ مشرکین کو حضور کے متعلق علم ذاتی کا شبہ بھی نہ تھا اور نہ آپ نے کبھی اس کا ادعا کیا تھا تو پھر ان کے اصل سوال کے جواب میں خاموشی اختیار کرنا اور ایک بے ربط جواب دینا نہایت بے محل اور مہمل سی بات ہے۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ استکثار خیر اور اجتناب من السوء مطلق علم پر

موقوف ہے نہ کہ یہ علم ذاتی پر ۔ ایک عقلمند کو زہر کی مضرت سے بچ جانے کے لئے
اتنا ہی کافی ہے کہ وہ یہ جانتے کہ یہ زہر ہے اور اس کے کھانے کا نتیجہ ہلاکت
ہے ۔ اتنا معلوم ہونے کے بعد وہ زہر کی مضرت سے بچ سکتا ہے یہ ضروری
نہیں ہے کہ علم ذاتی و پیدائشی رکھے تو بچ سکتا ہے ۔ اور اگر مکتسبی یا باعلام غیر
علم رکھے تو نہیں بچ سکتا ۔ پس اسی طرح آیت میں استکثار خیر اور اجتناب
سوء کے لئے مطلق علم کافی ہے ، خواہ ذاتی ہو خواہ عطائی (باعلام غیر) ہو، پس
یہ کہنا کہ آیت میں علم غیب ذاتی ہی کی نفی ہے اور وہی استکثار (جمع خیر) اور
اجتناب عن السوء میں مؤثر ہے محض مغالطہ ہے کیونکہ اس کا مطلب دوسرے
لفظوں میں یہ ہوا کہ حضور ؐ گویا فرماتے ہیں کہ میں ضرر و سوء سے اس لئے نہ بچ سکا
کہ میں ذاتی طور پر نہ جانتا تھا ۔ ظاہر ہے کہ آپ کی توجیہ کے مطابق یہ جواب نہایت
لایعنی ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہ مولوی عتیق الرحمٰن کہیں کہ میں زہر کے
ضرر سے اس لئے نہ بچ سکا کہ میں اس کے ضرر کو ذاتی طور پر نہیں جانتا تھا بلکہ
بعلم عطائی یعنی حکیم و طبیب کی اطلاع کے مطابق جانتا تھا ۔ ظاہر بلکہ اظہر ہے
کہ اس جواب پر آپ کے خاص الخاص مرید بھی ہنسیں گے اور کہیں گے مولانا
وشیخنا ! زہر کے ضرر سے بچنے کے لئے علم عطائی (حکیم کی اطلاع و اعلام) تو
کافی سبب تھا آپ کا علم ذاتی اس کے ضرر سے بچنے کے لئے تو کچھ ضروری نہ
تھا ۔ یہ جواب پاکر ہمارے علامہ کو دنیائے عقل میں خاموش ہو جانا پڑے گا
تو کیا یہ سلطان بے ملک چاہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ایسا
ہی مہمل جواب ہو جائے ۔ حاشا عن ذالک ثم حاشا ۔ الغرض

آیت ھذا میں غیوب کے مطلق علم کی نفی مراد لینا درست ہے ۔ ذاتی وعطائی کی مزید بحث باب دوم میں پیش کی جائے گی ۔

## اقوال لرجال سے استدلال غلط ہے

علامہ نے مسئلہ حاضر وناظر کے اثبات کے لئے علماء کے اقوال کو بھی پیش کیا ہے ، لیکن اس حصہ کو دیکھ کر بڑا رنج گذرا کہ آپ ایسے سخت اخلاقی اور بنیادی عقیدہ کے لئے ,, اقوال ،، پیش کرتے ہیں ، اس کا صاف و سیدھا جواب تو یہ تھا کہ ہم بھی اس کے خلاف علماء احناف سے اعلیٰ اور زبردست شہادتیں پیش کر دیں ، لیکن چونکہ مولانا کہیں گے کہ ہمارے اقوال کا جواب نہیں ہوا اس لئے ہم ان کی خاطر داری میں اس مبحث پر بھی کچھ لکھتے ہیں ، پس سنئے ! اول تو ہمارے علامہ اصول فقہ کی بات بھی بھول گئے کیونکہ وہاں تو لکھا ہے ۔ ادلۂ شرعیہ صرف چار ہیں ۔ قرآن ، حدیث ، اجماع امت ، قیاس شرعی (نورالانوار ص۵) پس اقوال علماء تصریح اصول فقہ کے مطابق حجت شرعیہ نہیں ہو سکتے ، دوم آپ کے تمام پیش کردہ اقوال سے محدود علم و نظر کا معنیٰ نکل سکتا ہے جو کہ آپ کے دعویٰ عام کے لئے ہرگز مثبت نہیں ہو سکتا ۔

ذرا تفصیل سے سنئے ! آپ نے چند کتابوں سے شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا قول حیات النبی پر پیش کیا ہے اس کا اصل و مکمل جواب تو باب دوم میں آئے گا جہاں آپ نے اس کا اعادہ کیا ہے ، اس جگہ ہم ہر قول الگ الگ کر کے مع جواب لکھتے ہیں ۔

قول اوّل :۔ بر مقربان و خاصان درگاہ خود حاضر و ناظر است ( ص۱۸ )

قول ثانی :۔ براعمال امت حاضروناظر است ۔

ان دو عبارتوں کے ملانے سے زیادہ سے زیادہ صرف اتنا مطلب نکلا کہ اپنی امت کے خواص و مقربین کے اعمال کے لئے آپ حاضروناظر ہیں۔ پس یہ قول دلیل خاص کی حیثیت رکھتا ہے، اور آپ کا دعویٰ عام ہے کہ "ما کان ومایکون" کا علم ہے۔ احوال گذشتہ وآئندہ و موجودہ کا علم ہے اور عرش و فرش و ملائکہ ولوحِ محفوظ پر نظر ہے۔ (خیر الانبیاء صہ ۱۴)

پس دعویٰ و دلیل ہذا میں مطابقت نہ ہوئی، اگر مولانا یہ دعویٰ کریں کہ جاندار کے چار پیر ہوتے ہیں اور ثبوت میں دو پاؤں کا انسان پیش کر دیں تو اس کو کوئی دلیل سمجھے گا؟

قول ثالث :۔ شیخ عبد الحق صاحب دہلوی کا تیسرا قول "فتوح الغیب" سے نقل کیا ہے، اس میں حیات نبی کا مسئلہ ہے، جس کا جواب عنقریب آئے گا، حاضروناظر کا کوئی لفظ بھی نہیں ہے۔ آپ نے اس کو عبث لکھا کیونکہ آپ نے التزام کیا تھا کہ اب اقوال علماء سے حاضروناظر کے الفاظ ثابت کر دوں گا۔

قول رابع :۔ آپ نے چوتھے قول کے ثبوت میں "شرح شفا" کی عبارت لکھی ہے۔ ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته لان روح النبی علیه السلام حاضر فی بیوت اهل الاسلام ۔

ترجمہ :۔ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو کہے اے نبی تم پر سلام اور رحمت ہو

اس لئے کہ ہر مسلمان کے گھر میں روح نبی موجود رہتی ہے

## شرحِ شفا کی عبارت میں خیانت

علامہ صاحب نے یہاں پر زبردست خیانت کی ہے۔ شرح شفا کی اصل عبارت یہ ہے۔ ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علی النبی ( ملاحظہ ہو شرح شفا ج ۲ ص ۱۱۷) جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو السّلام علی النبی کہے۔ چونکہ اس طرز سے حضورؐ کی اس مکان میں حاضری نہیں ثابت ہو سکتی تھی۔ کیونکہ یہ صیغہ ہی غائب کا ہے، اس لئے مولانا نے تصرف فرما کر علیک ایھا النبی بڑھا دیا تاکہ حضور سے خطاب کے ذریعہ حاضری کا مسئلہ نکل سکے۔ علاوہ ازیں شرح شفا کی یہ عبارت کچھ مہمل اور محرف سی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تب السلام علی النبی کہنے کا حکم دیا جاتا ہے، حالانکہ جب بقول آپ کے حضور ہیں تو پھر بھرے مکان میں کیوں نہ سلام کیا جاوے۔ اگر عبارت اس طرح ہوتی لان روحہ حاضرۃ فی البیوت الخالیۃ یعنی خالی گھر ہو تو السلام علی النبی کہے اس لئے کہ خالی گھروں میں حضور کی روح رہتی ہے تو کسی درجہ میں یہ تعلیل درست ہو جاتی اور چونکہ ایسا نہیں ہے، اس لئے عبارت کے محرف و مہمل ہونے میں کوئی شبہ نہیں، علاوہ ازیں اگر اس عبارت کو بالکل درست بھی مان لیا جاوے تو زیادہ سے زیادہ اہل اسلام کے غیر مسکونہ گھروں میں حاضری ثابت ہو گی جو آپ کے دعویٰ عام کے لئے بیکار ہے، کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ حضور کی چشمِ حق عالم ارواح، عالم اجسام، ملائکہ،

عرش فرش، لوح محفوظ، غرض تمام چیز پر ہے (خیرالانبیاء ص۱۴۱) جس کا مطلب یہ ہوا کہ ساری دنیا کے درختوں کے پتوں، قیامت تک کی بارشوں کے قطروں، تمام دریاؤں، نہروں، تالابوں کی مچھلیوں، مینڈکوں، مرغیوں مکھیوں، مچھروں، کیڑوں مکوڑوں کی ہر ہر تعداد سے واقف وعارف اور اس کے پاس حاضر وموجود ہوں۔ پھر آپ کے ہمہ مکان حاضر ہونے سے لازم آتا ہے کہ حضور ہجڑوں، رنڈیوں، گویوں، مصوروں، قوالوں، سازندوں کے پاس بھی موجود ہوں اور ان کے گھروں میں بھی حضور کی روح حاضر ہوتی ہو، ظاہر ہے کہ ایسے دعویٰ اور ایسی بات کے تسلیم کرنے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف توہین ہے، بئسما یأمرکم بہ ایمانکم الحاصل تمہاری اس دلیل خاص سے دعویٰ عام ثابت نہیں ہو سکتا۔

قول خامس:۔ اس کے بعد آپ نے امام غزالی کا ایک قول مسجد میں حاضری کا نقل کیا ہے، یہ محض ایک قول ہے، اصول شرعیہ میں سے کچھ بھی نہیں ہے، دوم آپ کے دعویٰ عام کے لئے مفید نہیں، کہاں مسجد اور کہاں عالم اجسام، عالم ارواح، عرش فرش لوح محفوظ وغیرہ پر حاضر ناظر رہنے کا دعویٰ۔ مولانا ثبوت میں یہ کھینچا تانی گندم نمائی وجو فروشی کی مصداق ہے۔

قول سادس:۔ آپ نے "نسیم الریاض"، کے حوالے سے لکھا ہے کہ انبیاء کی نظر مشارق الارض ومغاربہا پر رہتی ہے (ص۱۸۱) علامہ صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ قول شارح شفا کا نہ قرآن ہے نہ حدیث نہ اجماع امت نہ قیاس مجتہد۔ علاوہ ازیں اس سے مشرق ومغرب پر نظر کا ثبوت نکلا۔ شمال وجنوب اور اسی طرح جہت فوق تا بہ عالم سبع سموات وعرش اور جہت تحت،

در تحت مکانوں، تہ خانوں وغیرہ پر نظر پھر بھی ثابت نہ ہوئی پس آپ کے دعویٰ عام کے لئے
یہ دلیل خاص بھی معرض استدلال میں ساقط ہے۔

**قول سابع** :- علامہ نے دلائل الخیرات کے خطبہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں کہ میں اپنی محبت کرنے والوں کا درود وسلام تو خود سن لیتا ہوں اور ان
کو پہچانتا ہوں اور غیر محبین کا درود وسلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے (ص ۱۹)

**الجواب** :- یہ روایت بالکل غلط اور باطل ہے کیونکہ نہایت صحیح اور صریح حدیث کے
معارض ومخالف ہے۔ سنئے حدیث شریف میں وارد ہے من صلّے عند قبری
سمعته ومن صلّے علیّ نائیًا ابلغتہٗ ۔ (بیہقی فضائل الصلوٰۃ) ـــــــ،،
یعنی جو شخص میری قبر کے پاس درود وسلام پڑھتا ہے اس کو میں خود
سنتا ہوں اور جو شخص دور دراز مقام سے مجھ پر درود وسلام پڑھتا ہے وہ مجھ
کو پہونچایا جاتا ہے، ایک اور حدیث شریف ہے۔ انّ للہ ملائکۃ سیّاحین
فی الارض یبلّغونی من امتی السّلام (رواہ النسائی والدارمی) بحوالہ مشکوٰۃ
جلد اول کتاب فی الصلوٰۃ علی النبی )

حضورؐ فرماتے ہیں خدا تعالیٰ نے فرشتوں کی جماعتیں مقرر کی ہیں جو زمین
میں چلتے پھرتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ تک پہونچاتے ہیں۔ ظاہر ہے
کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے دور نزدیک ہر
جگہ ہیں، تو اس حدیث کے حوالہ سے یہ ثابت ہوا کہ دور سے سلام محبت ودرود
بھیجنے والوں کا سلام فرشتوں کے ذریعہ پہونچتا ہے حضورؐ خود نہیں سنتے، اور
نزدیک یعنی مزار مبارک پر جاکر درود سلام بھیجنے والوں کا خود سن لیتے ہیں،

یہاں درمیانی واسطہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پس جب حضورؐ دور دراز کے سلام میں اور مزار مبارک کے سلام میں خود فرق کر رہے ہیں، تو اس کے خلاف ایک اور طرح کا فرق کیوں کر قابل قبول ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس قول کے تسلیم کرنے پر دور نزدیک کا متعین کردہ فرق بے معنی ہو جاتا ہے، اور اصل بالکل ایک دوسری چیز بن جاتی ہے، اگر حضورؐ محبت کرنے والوں کا صلوٰۃ وسلام صدہا وہزارہا میل دور کا خود ہی سن لیتے تو یوں نہ ارشاد فرماتے کہ قبر کا صلوٰۃ وسلام تو خود سن لیتا ہوں اور دور دراز کا فرشتے پہونچاتے ہیں۔ علامہ علی قاری مکی اپنی کتاب الدرۃ المضیئۃ فی الزیارۃ المصطفویۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ الزائر اذا صلی وسلم عند قبرہ سمعہ سماعًا حقیقا بخلاف من یصلی او یسلم علیہ من بعید فان ذالک لا یبلغہ الا بواسطۃ لما جاء عنہ بسند جید من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلّٰی علیّ من بعید اعلمتہ۔ اس میں یہ مضمون صاف ہے کہ مزار کا سلام بلا واسطہ پہونچتا ہے اور دور کا سلام خواہ کیسے ہی مخلص ومحب کا ہو صرف بواسطہ ہی پہونچتا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا سے یہ گذارش ہے کہ آپ کے پیش کردہ قول میں تو صرف اہل محبت ومخلصین کی شناخت ومعرفت کا مضمون نکلا تو اس سے آپ کا دعویٰ عام کیسے ثابت ہوگا۔ فتفکروا وقولوا قولاً سدیدًا۔

**قول ثامن:-** علامہ نے ایک عبارت شفاء قاضی عیاضؒ سے بحوالہ ابو داؤد وابن ماجہ بایں الفاظ نقل کی ہے کہ شفاء میں اور ابوداؤد وابن ماجہ میں

باب الدعاء عند دخول المسجد کے تحت یہ روایت ہے۔ عن علقمۃ قال اذا دخلت المسجد اقول السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (ص ۱۹) پھر ترجمہ لکھتے ہیں۔ علقمہؓ سے روایت ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت و برکت نازل ہو۔ علامہ کا مطلب یہ ہے کہ جب حضورؐ کو خطاب کیا تو حضورؐ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہو گیا۔

**الجواب:** میں کہتا ہوں ابوداؤد میں نہ یہ علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہی ہے نہ یہ باب ہی ہے بلکہ ابوحمیدؓ اور ابو اسید انصاری کی روایت باب مایقول الرجل عند دخولہ المسجد کے تحت اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو دعائے افتتاح سے پہلے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے (ملاحظہ ہو ابوداؤد ج ۱ ص ۶۷) کیونکہ ہر دعا سے پہلے درود و سلام پڑھنا دعا کی مقبولیت کا سبب ہے تو اس کو حاضر و ناظر سے کیا علاقہ؟ بہر حال علقمہؓ کی روایت جس سے آپ کا استدلال ہے ابوداؤد میں قطعاً نہیں ہے۔ ابوداؤد اٹھا کر دیکھ لیجئے۔

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے
پڑھنے والے کو فارسی کیا ہے

اتنی کھلی ہوئی غلط بیانی دیکھ کر مجھے شبہ گذرتا ہے کہ آپ نے خود اس رسالہ کو تیار نہیں فرمایا بلکہ جو کسی نے لکھ کر بھیج دیا اسے آپ نے بلا زحمت مطالعہ اسی طرح چھاپ دیا، اسی طرح ابن ماجہ میں باب مذکورہ کے تحت علقمہ

سے کوئی روایت نہیں ہے، جس میں السلام علیک ایہا النبی کہنے کا کوئی ذکر ہو۔

ناظرین کرام! انصاف فرمائیے کہ حضرت علقمہؓ اور صاحب ابوداؤد اور صاحب ابن ماجہ کی جانب یہ کس قدر غلط انتساب ہے بلکہ افترار ہے۔ افترئ علی اللّٰہ ام بہ جنّۃ کیونکہ ابن ماجہ اور ابو داود کے باب مذکورہ کی جملہ احادیث میں نہ علقمہؓ کی روایت ہے نہ علیک کا لفظ نہ ایہا النبی کا جملہ ہے، اب آپ کا استدلال تو ھباء منثورا ہوہی گیا۔ کہنا صرف یہ ہے کہ اسی غلط بیانی اور کذب صریح کے بل بوتے پر یہ ہمارے سلطان بے ملک تلسی پور کی دنیا میں ڈنکا بجاتے پھرتے ہیں۔ کہ مجھے سلطان المناظرین سمجھو اور چھاپو۔ اپنے منہ سے میاں مٹھو بننا اور کاغذ کے صفحہ پر سلطان المناظرین چھپا لینا آسان ہے مگر یاد رہے کہ ۔۔ ع

شیر قالیں دیگر است شیر نیستاں دیگر است

قول تاسع :- علامہ نے اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے لکھا ہے۔ وبعضے گفتہ اند کہ آنحضرت در ذوات مصلیان موجود وحاضر است۔ آپ نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ بعض عارفوں نے کہا کہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں حاضر موجود ہیں۔ (ذخیرالانبیاء ص۱۹)

ناظرین کرام! شیخ نے تحیات کے پڑھنے کے موقع پر ایہا

الجواب :- النبی کی توجیہ میں محدثین کا جو مطلب نقل کیا تھا اسے علامہ نے چھوڑ دیا، اور جو توجیہ عرفاء اور اصحاب سکر کے طبقہ کی تھی اسے آپنے

اختیار فرمالیا یہ آپ کی اعلیٰ دیانت داری ہے ؟

## حضورؐ کا تمام نمازیوں کے پاس حاضر رہنا

اب سنئیے :۔ یہ توجیہ عقلاً بھی غلط ہے کہ حضور نمازیوں کی ذات میں موجود ہوں، نماز نہ معلوم کہاں کہاں پڑھی جاتی ہے انتہائی شمال اور انتہائی جنوب ومشرق ومغرب کی حدود میں نماز گذاری جاتی ہے، تو آن واحد میں انتہائی شمال سے جنوب کی آخری حد پر پہونچنا، اور مغرب ومشرق کے ہر نمازی کی ذات میں حاضر ماننا کس قدر غلط عقیدہ ہے، یہ عقیدہ حضور کو تکلیف و زحمت میں برابر مبتلا رکھنے کا موجب ہے دھوپ، بارش اور گرمی، سردی کے کڑاکے میں ادھر ادھر آنا جانا اور نمازیوں کی ذاتوں میں دخول کا عقیدہ حضورؐ کو کیسی تکلیف اور ضیق میں ڈال دیتا ہے اس کے خلاف ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روضہ اطہر میں پوری راحت ابدی اور بے انتہا مسرت کے ساتھ سب سے بڑے درجہ پر انتہائی قرب خدا میں آرام فرما ہیں۔ بہرحال اول تو یہ توجیہ بعض عرفاء وصوفیا کی ہے۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رح نے فرمایا ہے۔ "حجت در اقوال واعمال مشائخ نیست حجت آنست کہ در کتاب وسنت است"، یعنی کسی عارف و صوفی کا قول وعمل سند کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا سند کی چیز کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ہے۔ دوم آپ کا دعویٰ عام ہے دلیل خاص سے اس کا ثبوت ناممکن ہے۔ کما ذکرنٰہ مرارًا

**قول علامہ** :۔ علامہ نے احیاء العلوم کے حوالہ سے امام غزالی رح کا قول نقل

کیا ہے۔ واحضر فی قلبک النبی علیہ السلام وشخصہ الکریم وقل السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ۔ کہ اے نمازی تو اپنے دل میں نبی علیہ السلام کی ذات پاک کو حاضر جان اور السلام علیک ایھا النبی پڑھ۔

**الجواب:-** علامہ صاحب! کچھ خبر بھی ہے کہ حضرت امام غزالیؒ کیا تخیل پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ سنئے منطق کا مشہور مسئلہ ہے۔ لا حجر فی التصورات کہ تصورات اور خیالات میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، ہر شئی کا تصور ممکن ہے، لیکن اس کی تصدیق ضروری نہیں، آپ اپنے دماغ میں کوہ ہمالیہ یا کوہ آتش فشاں کا تصور کر لیجئے تو کیا آپ کا دماغ پھٹ یا جل جاوے گا ہرگز نہیں کیونکہ تصور کو تصدیق لازم نہیں ہے۔ پس امام غزالیؒ علم حضوری اور تصوری کا تخیل دلاتے ہیں اور پھر وہ بھی بطور نکتہ آفرینی کے اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ جب حضور حاضر وناظر نہیں ہیں تو تحیات پڑھتے وقت علیک اور ایھا النبی کے ساتھ خطاب آخر کس بنا پر ہے؟ تو بطور نکتہ سنجی کے فرماتے ہیں کہ قوت خیال پر زور ڈال کر اپنے دل میں حاضر وناظر ہونے کو متصور کرو اور یوں سمجھو کہ وہ بزرگ ہستی ہمارے پاس ہے پھر السلام علیک ایھا النبی کا لطف اٹھاؤ۔

بہر حال ان کا یہ قول بطور لطیفہ ہے ورنہ سلطان بے ملک ہی ارشاد کریں کہ کیا واقعی حضورؐ کی ذات شریف بشخصہ وجسمہ ہر قلب انسانی میں داخل اور حاضر ہوتی ہے؟ اور کیا اس میں حضورؐ کی توہین نہیں ہے

اور کیا نفس شریف کو تنگی و ضیق میں مبتلا ہونا لازم نہیں آتا؟ سخن پروری چھوڑ کر غور کیجئے کہ یہ قول حاضر وناظر پر ہرگز دال نہیں اور نہ یہ امام غزالی رح کا عقیدہ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ وہ التحیات و درود ختم کرکے سلام پھیرنے کے وقت السلام علیکم ورحمۃ اللہ دونوں جانب کہنے کی توجیہ میں لکھتے ہیں۔

واقصد عند التسلیم السلام علی الملائکۃ والحاضرین۔

(احیاء العلوم جلد اول باب سوم بیان تفصیل ما ینفی ص ۱۰۷)

یعنی السلام علیکم کہنے کے وقت ملائکہ اور حاضرین پر سلام بھیجنے کا قصد کرو اگر امام غزالی رح کا یہ عقیدہ ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر فرماتے، بہرحال اول تو ہم اس قول کو سند نہیں سمجھتے دوسرے ایک اچھی تاویل پیش کرتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کو اصرار ہو کہ احیاء العلوم کالوحی من السماء ہے تو سنئے! احیاء العلوم ان کتابوں میں سے نہیں ہے جس میں صحیح احادیث اور صحیح روایات کے لکھنے کا التزام کیا گیا ہو، احیاء العلوم کی مرویات کے متعلق ناقدِ فن حدیث علامہ ابن الجوزی کا فیصلہ سنئے؟ وہ فرماتے ہیں۔ کہ غزالی رح نے احیاء العلوم کو باطل حدیثوں سے بھر دیا جس ستارہ اور چاند اور سورج کو حضرت ابراہیم ع نے تلاش رب کے وقت دیکھا اور جس کا ذکر قرآن میں ہے انھوں نے احیاء العلوم میں اس کا انکار کیا ہے۔

(تلبیس ابلیس مؤلفہ ابن الجوزی ص ۱۴۱)

ان کی بعض مرویات پر دوسری جگہ بھی تنقید ہے (تلبیس ابلیس ص ۲۶۱) علامہ ابن الجوزی کے کہنے پر کیا موقوف ہے؟ اگر آپ خود بھی نظر رکھتے ہوں تو

دیکھیں کہ کس قدر ضعاف احادیث احیاء العلوم میں موجود ہیں ۔ چنانچہ جلد اول باب سابع قسم ثانی کی پہلی حدیث جو یوم الاحد کی نسبت اور چوتھی حدیث جو یوم الاربع کے تحت وارد ہے اس کی نسبت ،، فوائد مجموعہ،، میں لکھا ہے ۔ الحدیث موضوع ۔

بہر حال احیاء العلوم باب عقائد میں نہ کوئی استنادی حیثیت رکھتی ہے اور نہ غزالیؒ کا مجرد قول اصول شرعیہ کے ماتحت کوئی دلیل ہی ہے۔ علاوہ ازیں دل کے اندر حاضری مان لینے سے عرش فرش، ملائکہ لوح محفوظ وغیرہ پر حاضری کیسے لازم آتی ہے ۔ مولانا! کجا می نمائی کجا می زنی ۔

قول حادی عشر :۔ نواب صدیق الحسن خاں صاحب اہل حدیث بھوپالی کا قول بالکل وہی ہے جسے اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے آگے نقل کر آئے ہیں، چونکہ ہم اس کے جواب سے فارغ ہو آئے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے ۔ صرف اتنا لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نواب صدیق الحسن ہوں یا اور کوئی اہل حدیث فاضل ہوں ۔ اس زمانے کے علماء بریلویہ ہوں یا گذرے ہوئے زمانے کے، ان سب کے متعلق ہماری طرف سے یہی جواب ہے کہ نہ کسی اہل حدیث کا قول ہم پر حجت ہے اور نہ آپ کا اور نہ آپ کے بڑوں کا قول ۔ جن کا قول تمام دنیا پر حجت ہے وہ خدا ہے اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بس ۔

قول ثانی عشر :۔ سب سے آخر میں آپ نے علامہ سیوطیؒ کا نام لیا ہے جو محدثین کے نزدیک ،، حاطب اللیل ،، مشہور ہیں، جب وہ رطب ویابس

احادیث جمع کر لیتے ہیں تو پھر اقوال میں کیا باک ہے۔ بہر حال اس کی مفصل بحث باب دوم میں ملاحظہ کیجئے گا۔

## اقوال کے مقابلہ میں اقوال

علامہ کے اقوال کی تردید کے بعد اب ہم علمائے احناف کے ایسے اقوال پیش کرنا چاہتے ہیں جن سے حاضر وناظر کی صراحتاً تردید ہو جائے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "فتاوی بزازیہ" میں لکھا ہے۔ من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر یعنی جو شخص کہے کہ مشائخ یعنی اولیاء، انبیاء کی ارواح حاضر ہیں علم بھی رکھتی ہیں وہ کافر ہیں۔ اور ملاحسین جناز "مفتاح القلوب" میں فرماتے ہیں "واز کلمات کفر است ندا کردن اموات غائبان را بگمان آنکہ حاضر اند مثل یا رسول اللّٰہ ویا عبد القادر ومانند آں یعنی حاضر وناظر سمجھ کر یا رسول اللّٰہ کہنا کفر ہے۔ سلطان العارفین حضرت قاضی حمید الدین ناگوری استاذ خواجہ بختیار کاکی "توشیح" میں فرماتے ہیں ومنھم الذین یدعون الانبیاء والاولیاء عند الحوائج والمصائب باعتقاد ان ارواحھم حاضرۃ تسمع النداء ذالک شرک قبیح وجھل صریح۔ اس عبارت میں اس بات کی تصریح ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی ارواح کو حاضر وناظر اور واقف اسرار سمجھنا کفر بلکہ شرک ہے۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی مجموعۃ الفتاوی جلد اول ص۲۷ پر لکھتے ہیں۔ وما یفعلہ الجھال علی راس کل حول وشھر الربیع الاول

لیس بشئ ویقومون عند ذکر مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم ویزعمون ان روحہ نبی وھو حاضر فزعمھم باطل وھذہ الاعتقاد شرک۔

بہرحال ہر جگہ حتیٰ کہ بیان محفل مولود میں قیام کرنا اور روح نبی کو حاضر سمجھنا زعم باطل ہے اور یہ اعتقاد شرک ہے۔

الحاصل روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ اسلامی عقائد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، ہمیشہ اس کی تردید اہل سنت والجماعت کرتے آئے ہیں۔ فتاویٰ بزازیہ وغیرہ جو صدیوں پہلے کی تصنیف ہے اس میں بھی اس عقیدہ کو کفر بتلایا ہے۔ عوام کو بدگمان کرنے کے لئے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ "وہابیوں" کا عقیدہ ہے، کیا فتاوی بزازیہ اور مجموعۃ الفتاویٰ وغیرہ کے مصنفین بھی وہابی ہو گئے تھے۔ کہئے کیا ارشاد ہے؟

## مجدد الف ثانی کا ارشاد

علامہ صاحب! ایک بار پھر ہم آپ کو سمجھاتے ہیں کہ آئندہ سے اپنی کسی تحریر میں کوئی عقیدہ بیان فرمائیے تو قرآن وسنت کے نصوص پیش فرمائیے۔ اقوال رجال سے ہرگز سند نہ لائیے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی نے اقوال علماء کو سنداً بیان کیا تو اس پر حضرت نے فرمایا۔ کلام محمد عربی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) درکار است، نہ کلام محی الدین اکبر بن عربی وصدر الدین قونوی وعبدالرزاق کاشی یعنی کسی

عقیدہ اور کسی مسئلہ کے اثبات کے لئے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث درکار ہے کسی "ابن العربی، کاشی، سیوطی، ملی"، کا قول بجائے خود کوئی سند نہیں ہے۔ یہ بات ہم کو اور آپ کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سکھا گئے ہیں۔ کسی نے ان سے کہا بقول عمر رضؓ حج تمتع تو جائز نہیں ہے، تو فرمایا

امرابی یتبع ام امر رسول اللہ۔

(ترمذی کتاب الحج)

یعنی کیا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر میرے باپ کا منشا مانا جائے گا؟ (آخر میں حضرت عمر فاروق رضؓ نے حدیث رسول پہونچ جانے پر رجوع فرمالیا تھا) (زاد المعاد جلد اول)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج تمتع کو جائز رکھا ہے، تو حضرت عروہ رضؓ نے کہا ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ تو منع کرتے ہیں، تو حضرت عبداللہ بن عباس نے غضبناک ہو کر فرمایا اقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویقولون قال ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ الخ (زاد المعاد جلد اول ص۲۲۱) کہ میں قول رسول (حدیث) پیش کرتا ہوں اور تم ان کے سامنے قول ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ پیش کرتے ہو۔ پس تمہاری ہلاکت قریب ہے۔

بہرحال شرعی عقائد و مسائل کے اثبات کے لئے اقوال بزرگاں سے استناد صحیح نہیں ہے کہ ان کی زبان وحی کی ترجمان نہیں، ان کی رائے خدا کی بات نہیں، ان کا قول حدیث رسول نہیں۔ پس اقوال

رسول یعنی احادیث رسول کی اتباع ضروری ہے نہ اقوال الرجال کی ؎

آں چہ نہ فرمود خدا و رسول
فضل بود فضل مخواں اے فضول

**تنبیہ:۔** ناظرین کرام! ہمارے علامہ نے لکھا تھا کہ انکار حاضر وناظر یں جماعت اہل حدیث تنہا ہے، اس کی حقیقت آپ پر خوب واضح ہو چکی ہے کہ مولانا کا یہ ادعا بھی صاف و صریح غلط ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حاضر وناظر کے عقیدۂ کفریہ کو علامہ نے جہالت اور بے دینی قرار دیا تھا۔ پس اسی کی روشنی میں فقہ حنفی کے مشہور ائمہ کا بھی یقیناً جاہل اور بے دین ہونا لازم آیا کیونکہ فقہ حنفی کی معتبر ومشہور ترین تصنیفات میں حاضر وناظر سمجھنے پر کفر کا فتویٰ موجود ہے، جیسا کہ ابھی گذرا ہے۔

اگر آپ کے عطا کردہ خطاب کے مطابق علماء احناف کے یہ سب ائمہ کرام جاہل و بے دین اور وہابی ہو گئے، تو ان سب کی زبان حال سے یہ شعر سن لیجئے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہیں مرغ قبلہ نما آشیانے میں

افسوس کہ آپ نے اپنے استاد جناب مولوی عبدالرزاق صاحب مرحوم کو بھی اپنی بدکلامی سے نوازا۔ اِنّا لِلّٰہ۔

سیعلم الذین ظلموآ ای منقلب ینقلبونَ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حصّہ دوم

الٰہی نالۂ اخگر فشاں دے — فغانِ شعلہ ریز و خوں چکاں دے
عنایت کر مجھے آتش بیانی — کہ لب تک لا سکوں سوزِ نہانی
دے اتنی گرمیٔ سوزِ تکلم — کہ ہو وے عرق یہ برق تبسم

آج مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو مختلف خانگی پریشانیوں اور علالتوں سے قدرے اطمینان پا کر حصہ دوم کے لکھنے کی نوبت آ رہی ہے، حق تعالیٰ فراغ خاطر نصیب فرمائے اور اس کے اتمام کی توفیق بخشے۔

**ناظرین کرام!** یہ وہ حصہ ہے جس میں مولانا صاحب ہم پر بہت زیادہ برافروختہ نظر آ رہے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ مریدوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ اس میں کیا ہے۔ لیکن لطف یہ ہے کہ اسی حصہ میں مولانا بہت پریشان ہوئے ہیں کیونکہ سبب التواء میں آپ اقرار کرتے ہیں کہ جوابات "حاضر و ناظر" یکم اگست ۱۹۴۵ء کو موصول ہوا (صا۲) اور جواب ٹھیک ایک سال بعد جولائی ۱۹۴۶ء کے آخر میں دیتے ہیں۔ پس ہمیں مولانا کی جانِ حزیں پر رحم آتا ہے کہ خدا جانے کہاں کہاں دوڑے بھاگے اور اس کے لکھانے اور مضمون حاصل کرنے میں کتنے پریشان ہوئے کہ سال بھر میں ۲۱ ورقی جواب تیار کر پائے۔

ناظرین کرام! مولانا کی اس محنت شاقہ کی داد نہ دینا بڑا ظلم ہے۔ اس لئے یہ مصرعہ مولانا کو سنا دیجئے کہ ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

میں نے اپنے رسالہ جوابات "حاضر و ناظر" میں جو کچھ لکھا تھا اس کے بڑے حصہ سے مولانا کترا گئے۔ آپ نے مولویانہ حلوا کھاتے ہوئے ڈھیلے ڈھالے چند اعتراضات جڑ دیئے ہیں۔ یہ نہیں سمجھا کہ کیا لکھ رہا ہوں اور کس سے خطاب کرتا ہوں۔ میں جوابات کی حقیقت واضح کرنے کے لئے انھیں ہر اعتراض کا نمبر قائم کر کے جواب دوں گا۔ بحول اللہ وقوتہ۔

## اللہ تعالیٰ علم کے اعتبار سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

(۱) میں نے لکھا تھا کہ علم کے اعتبار سے ہر جگہ حاضر و ناظر رہنا خدائے تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ پھر اپنا راجح مذہب بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ وجود کے اعتبار سے ہر جگہ نہیں ہے بلکہ صرف علم کے اعتبار سے ہے۔

اب مولانا کو دیکھئے خواہ مخواہ اعتراض تراشتے ہیں جو کسی طرح مجھ پر لازم نہیں آتا۔ دیکھئے فرماتے ہیں کہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں "حاضر و ناظر" ہو اور یہ خدا کی صفت ہرگز نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجود خاص سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہو، دوسرے یہ کہ ہر جگہ باعتبار علم کے حاضر و ناظر ہو۔ تو ہم اول صورت کی خود ہی تردید

کرچکے ہیں اور دوسری صورت کو تسلیم کرتے ہیں، اور اس میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی، بلکہ اس کے اثبات کے لئے حق تعالیٰ دلائل دیتے ہیں۔ پس مولانا مقام توضیح میں ایسی گول بات بولتے ہیں جو اہل علم کی نظروں میں سخت معیوب بات ہے، ارشاد ہے الرحمن علی العرش استوی پس اپنے وجود خاص سے ہر جگہ "حاضر و ناظر" نہ ہوا لیکن علم کے اعتبار سے ہر جگہ "حاضر و ناظر ہے چنانچہ ارشاد ہے واللہ علی کل شئ شہید۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی حنفی رح) دوسری جگہ ارشاد ہے، وھو معکم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر (پ ۲۷ ع ۱۷) اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ اس کام کو جو تم کرتے ہو دیکھنے والا ہے۔ ایک آیت میں ارشاد ہے۔ عسی ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون۔ (موسیٰؑ نے کہا) عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر کے تم کو زمین کا خلیفہ بنائے گا پس دیکھے گا کہ تم کیونکر عمل کرتے ہو۔ اس آیت میں ینظر کا لفظ موجود ہے۔ جس سے بلاشبہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناظر ہے کیونکہ ناظر اسی نظر ینظر کا اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں دیکھنے والا۔ اسی طرح ایک اور جامع آیت لیجئے۔

یستخفون من الناس ولا یستخفون من اللہ وھو معھم۔ (پ ۵ ع ۱۲) لوگوں کی نظروں پر وہ پردہ ڈال سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نظر

پردہ پردہ نہیں ڈال سکتے اور وہ تو ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ ایسا ناظر ہے کہ اس کی نظر پر بند کوٹھریوں، خلوت خانوں وغیرہ کا بھی پردہ نہیں ڈالا جا سکتا اور ایسا حاضر و ناظر رہنا خدا تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے، مولانا نے اعتراض کے ذیل میں لکھا ہے کہ مخلوق بھی زمین و آسمان میں حاضر و ناظر ہے (ص۲۲)

بریلوی مشن والو! یہ بالکل شرکیہ عقیدہ ہے۔ اب تک تمہارے مولانا تو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حاضر و ناظر کے درپے تھے اب پوری مخلوق کو حاضر و ناظر بنا ڈالا۔ کہئے اب تو تلسی پور کے رجب علی صاحب اور مولوی عتیق الرحمٰن صاحب بھی "حاضر و ناظر" ہو گئے کیونکہ مخلوق تو یہ بھی ہیں اور مخلوق کو تمہارے مولانا "حاضر و ناظر" کہتے ہیں۔ اب اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور خاص فضیلت بھی تو باقی نہ رہ گئی۔ العیاذ باللہ۔

بریلویو! کچھ تو سوچو! وہابی وہابی کر کے تم نے ان کی باتوں کا سوچنا سمجھنا بھی چھوڑ دیا۔

## مخلوقات کا حاضر و ناظر ماننا ⑦

میں نے ھو اللہ فی السموات و فی الارض کی دلیل سے ہر جگہ "حاضر و ناظر" ہونے کو اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ٹھہرایا تھا کیونکہ اس کی شان میں وارد ہے لیس کمثلہ شیٔ (اللہ کے مثل کوئی نہیں) جس سے صاف ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی

اس صفت میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا مولانا نے اس پر وہابی کی منطق وغیرہ الفاظ سے خوب مذاق اڑایا ہے، اس مذاق کو پڑھ کر مجھے مولانا کی علمی و منطقی بدمزاقی پر بہت رنج گذرا۔ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ شاید پھر جواب لکھیں تو منطق کا لفظ زبان پر نہ لاویں۔ خیر مولانا کا مذاق ملاحظہ ہو کہتے ہیں۔ انّ اللہ سمیع بصیر : یعنی اللہ سمیع و بصیر سننے دیکھنے والا ہے، اس کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ لیس کمثلہ شئی اس کے مانند کوئی چیز نہیں۔ پس کوئی وہابی ہو یا نجدی اس صفت خصوصی میں اللہ کا شریک نہیں ہو سکتا ورنہ لیس کمثلہ شئی کا غلط ہونا لازم آئے گا۔ سوال یہ ہے کہ اسی صفت سے بندہ کو متصف کرتا ہے، ارشاد ہے، فجعلناہ سمیعا بصیرا :۔ یعنی ہم نے انسان کو سمیع بصیر بنایا، پس وہابی اپنی انوکھی منطق سے بہرا بھی بنا اور قرآن کا مخالف بھی ہوا (صـ۲۲)

**الجواب :۔** مولانا بیشک آیت غلط نہیں ہو سکتی اور نہ صرف وہابی، نجدی،، بلکہ کوئی بریلوی و رضاخانی بھی اس وصف خصوصی میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہو سکتا۔ مولانا ذرا دماغ سے کام لیجئے۔ انسان ،، سمیع بصیر،، کب سے ہوا۔ ظاہر ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا اور پیدا فرما کر سماعت و بصارت بھی دی تب سے ،، بصیر و سمیع ،، ہوا۔ مثلاً مولوی عتیق الرحمٰن صاحب اس وقت سے سمیع و بصیر ہوئے جب سے یہ عالم حیات میں درآئے

اگر آپ کی عمر ۵۴ سال ہے تو گویا ۵۴ سال سے سننے والے دیکھنے والے بھی ہوئے۔ تو کیا مولانا ؟ حق تعالیٰ بھی ۵۴ - ۵۰ سال صدی دو صدی ہزار دس ہزار ہی سے سمیع و بصیر ہے ؟ یا اس کا "سمیع و بصیر" ہونا ازل و ابد سے ہے پس لیس کمثلہ شیٔ بحال ہے۔ پھر مولانا ذرا علمی عینک لگا کر بغور دیکھئے تو ان اللہ سمیع بصیر اور فجعلنا ہ سمیعا بصیرا میں خود جواب موجود ہے۔ پہلے جملے میں نحوی عینک دوسرے میں منطقی عینک لگائیے تو مسئلہ صاف نظر آتا ہے اب بھی آپ سمجھے نہ ہوں تو تفصیل سے سنئے اِنَّ اللّٰہَ سمیع بصیر یہ جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت و دوام کا فائدہ دیا کرتا ہے پس آیت کریمہ صفت سمع و بصر کے دوام و استمرار پر دلالت کرتی ہے یعنی وہ ہمیشہ سے سمیع و بصیر ہے اور ہمیشہ سمیع و بصیر رہے گا۔ یعنی اس کی سماعت ازلی و ابدی قدیم غیر مخلوق، غیر حادث ہے۔ مولانا کیا انسان بھی اسی طرح کا سمیع و بصیر ہے ؟ ہرگز نہیں۔ پس لیس کمثلہ شیٔ اپنی جگہ پر درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فجعلنا ہ سمیعا بصیرا فرما کر خود ہی اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت سماعت و بصارت سے انسان کے سمع و بصر کو کوئی علاقہ نہیں کیونکہ فجعلنا ہ فرمایا اور اصول منطق کے مطابق جعل کی دو قسمیں ہوئیں۔ جعل بسیط[۱]۔ جعل مولف[۲]۔ یہاں جعل مولف ہے جس سے یہ صاف ثابت ہوا کہ انسان کا سمع و بصر جعل جاعل سے ہوا ہے اور جعل جاعل سے قبل انسان سمیع و بصیر نہ تھا۔ پس اس کا سمیع و بصیر ہونا حادث و متجدد ہوا اور مخلوق مجعول ٹھہرا

اور غیر ازلی غیر ابدی غیر قدیم ثابت ہوا اور اللہ تعالیٰ کی صفت سمع و بصر ازلی ابدی قدیم ہے پس دونوں میں کیا تشابہ اور کون سا تماثل باقی رہا ؟ افسوس اتنی بات بھی نہ سمجھ سکے خواہ مخواہ ایک دو صفحہ اس پر سیاہ کر ڈالا آپ نے اس طرح لکھا ہے کہ سنّی عالم (بریلوی ملاؤں) کی جوتیاں سیدھی کرنے تو یہ بوکھلاہٹ نہ پیش آتی ۔ مولانا ! میں کہتا ہوں کہ آپ کسی منطقی اہل حدیث عالم کی جوتیاں سیدھی کریں تو ایسی خبط الحواسی سے بچ جایئے ۔

## صفات باری کے متعلق امام مالک وائمہ سلف کا مسلک ۔

بڑے تعجّب اور حیرت کی بات ہے کہ علامہ کو صفات باری کے مسئلہ میں حضرت امام مالک بن انس رضہ کا مشہور مقولہ بھی نہیں معلوم ہے ۔ والکیف غیر معقول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ (جلاء العینین ص ۲۱۲) یعنی سمع و بصر وغیرہ صفات کی کیفیت معلوم نہیں اور ایمان اس کے ساتھ واجب ہے ، اور اس کے متعلق کرید کرنا بدعت ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات تشبہ و تکیف سے بری ہیں ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ید ، عین ، سمع ، وغیرہ کی تشبیہ و تمثیل انسان کے ید و سمع و بصر سے نہیں دی جا سکتی ۔ پس اگر یہ بریلوی علامہ علم کلام کے مشہور مباحث سے ادنیٰ واقفیت رکھتے تو اللہ تعالیٰ کی صفت سمع و بصر کو انسان کے سمع و بصر کے مانند نہ سمجھتے اور جب مثلیت نہ سمجھتے تو لیس

کمثلہ شیء سے معارضہ نہ کرتے، اور زبان پر وہابی کے اندھا بہرا ہونے کا اعتراض بھی نہ لاتے، حضرت امام ابن تیمیہ رح لکھتے ہیں کہ ائمہ سلف کا مسلک یہ ہے کہ تعطیل تمثیل، تکییف کا ادنیٰ شائبہ لئے بغیر ہم اللہ تعالیٰ کو ان صفات کے ساتھ متصف کریں جس سے اس نے اپنے کو متصف کیا ہے، اور جن صفات سے اپنے کو متصف کیا ہے ان کی نفی جائز نہیں، اور نہ ان صفات کی مخلوق کی صفتوں کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ پس صفات کا اثبات اور مخلوق کے ساتھ مماثلت کی نفی اعتدال کی راہ ہے (الانتقاد الرجیح علی حاشیہ جلاء العینین ص۲۰۳)

شاہ ولی اللہ رح بھی اپنے رسالہ "الاعتقاد الصحیح" میں لکھتے ہیں۔ ھُوَ خالق لجمیع المخلوقاتِ عالِم لجمیعِ المعلومات قادرٌ علیٰ جمیع الممکنات سمیع بصیر لہ ولامثل لہ ولا ندّ لہ۔

(الانتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح صک)

اب اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع بصیر ہے مگر اس کا سمع بصر اور ہے اور انسان کا سمع وبصر اور ہے، بس لیس کمثلہ شیء بھی بحال رہا اور کوئی بریلوی اندھا بہرا بھی نہ ہو سکا۔

بہرحال علامہ کو یہ فاش غلطی علم کلام سے عدم واقفیت کی بنا پر پیش آئی ہے، اس پر بھی اس طبل تہی کا دعویٰ ہے کہ میں سلطان المناظرین ہوں۔

وماذا بھند من المضحکات ولکنہ ضحک کالبکاء

**حیاتِ النبی کا مسئلہ:-** میں نے اس امر پر چند دلائل لکھے تھے کہ رسول اکرم صلعم اب حیات حقیقی دنیوی سے متصف نہیں ہیں، ان دلائل پر آپ مطلق کچھ اعتراض نہ کر سکے، البتہ ایک معارضہ نقل کیا ہے اور دو، تین اقوال علامہ سیوطی و قرطبی کے نقل کر کے عربی اردو ترجمہ سے صفحہ بھر دیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ بڑے علامہ ہیں۔ اور بڑی داد تحقیق دے رہے ہیں۔

**الجواب:-** اقوال کے مقابلے میں اقوال پیش کرنا ہی کافی ہے۔ لیکن جیساکہ حصہ اول کے آخر میں میں مفصل لکھ چکا ہوں کہ قال اللہ و قال الرسول کے سوا اور کوئی چیز درحقیقت سند نہیں ہے، اگر اقوال علماء سند ہو سکتے ہیں تو اسی حیثیت سے کہ وہ قول خدا اور قول رسول پیش کر رہے ہیں بس ائمہ کے اقوال کو ہم ذاتی خیالات کا درجہ دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کا ذاتی اجتہاد ہے، اور اگر آپ کو یہ اصرار ہے کہ یہ قول کالوحی من السماء ہے، یا یہ کہ انھوں نے فلاں آیت یا فلاں روایت صحیحہ سے اس قول کا استنباط کیا ہے تو اس کا نام و نشان لکھئے۔

**علامہ سیوطی و قرطبی کے عبارات کی توجیہ** (۱) آپ نے علامہ سیوطی کی کتاب تنویر سے بیہقی کی ایک حدیث نقل کی ہے الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔

---

عہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی حسی دنیوی زندگی کے ابطال کے لئے مولانا محمد صاحب جوناگڑھی نے اپنی کتاب حیات محمدی میں ایک جامع بحث کی ہے مزید تفصیل اسی میں دیکھئے۔

**الجواب** :- مولانا اس ایک حدیث کی صریح ضد اور بھی اسی بیہقی میں ہے قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم الانبیاء لا یترکون فی قبورھم بعد اربعین - تعارض صاف موجود ہے، ایک میں قبر کی زندگی کا ذکر ہے دوسری میں چالیس دن کے بعد وہ قبر میں چھوڑے جاتے ہی نہیں - واذا تعارضا تساقطا (نور الانوار)

(۲) شب معراج میں انبیاء نے بیت المقدس میں نماز ادا کی یا حضورؐ نے موسیٰؑ کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات برزخی کا استدلال کیسے ہو سکتا ہے ایک یا چند جزئی کے حال جان لینے سے دوسری جزئی کا حال نہیں معلوم کیا جا سکتا مولوی عتیق الرحمٰن اگر بیمار ہوں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ رجب علی بھی بیمار ہوں - منطق کا مشہور مسئلہ ہے - الجزئی لایکون کاسبا ولامکتسبا (سلّم) علاوہ ازیں اس سے دائمی حیات کا ثبوت کیونکر نکلا ؟ پھر ہو سکتا ہے کہ ارواح نے عالم مثال میں متشکّل ہو کر نماز پڑھی ہو جس طرح کہ آئینہ میں صورت آجانے سے شکل نظر آتی ہے مگر اس میں گوشت پوست و مادی انسان نہیں موجود ہوتا -

(۳) پھر آپ نے علامہ قرطبی کے حوالہ سے موت کے معنی غیبوبت و عدم ادراک کے نقل فرمایا ہے، یہ بالکل غلط ہے - حضرت ابوبکرؓ نے ان محمداً قد مات فرمایا، حالانکہ صحابہ آپ کا ادراک کر رہے تھے - غسل دیا تب ادراک ہو رہا تھا کفن پہنایا تب بھی ادراک کر رہے تھے، جنازہ پڑھا تب بھی ادراک کر رہے تھے، حالانکہ ان تمام حالات میں آپ میت تھے۔

## نبی کریم کے حیات برزخی ونفرقات دنیوی کا عقیدہ باطل ہے

(۴) اسی طرح عرض اعمال والی حدیث سے استدلال حیات اجساد پر ممکن نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عرض ارواح پر ہو۔ یہ آپ کی پیش کردہ مطول عبارات پر مختصر سی تنقید تھی۔ آئندہ اس سلسلہ میں جب کوئی حدیث صحیح نقل فرمائیں گے تو آپ سے خطاب کیا جائے گا۔ سردست حنفی مذہب کی کتاب کا ایک حوالہ لیجئے جس میں صاف طور پر حیات النبیؐ کی تردید ہوتی ہے۔ یزعمون ان روحہ تجی وھو حاضر فزعمھم باطل بل ھذا الاعتقاد شرک قد منع الائمۃ الاربعۃ مثل ھذا (تحفۃ القضاۃ) یعنی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح آتی جاتی ہے اور حاضر ہوتی ہے پس ان کا گمان باطل ہے، بلکہ یہ اعتقاد شرک ہے، اور چاروں اماموں نے اس سے منع فرمایا ہے۔ میں نے کوئی فتویٰ نہیں چڑھا دیا ہے بلکہ آپ کے سامنے فقہ حنفی کا مسئلہ رکھ دیا ہے اب فرمایئے اس فیصلہ کی روشنی میں سیوطی وغیرہ کا قول ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی بجسدہ وروحہ وانہ یتصرف ویسیر فی اقطار الارض زعم باطل اور مردود ہوا یا نہیں۔

دیکھنا ہے کہ آپ فقہ حنفی کی لاج رکھتے ہیں یا نہیں؟ اس کے علاوہ میں نے سوال کیا تھا کہ آپ کی حسی حقیقی دنیوی زندگی کے باقی رہتے ہوئے حضرت صدیق اکبر کو آپ کا جانشین کیوں مقرر کیا گیا۔ آپ کے وراثت کا جھگڑا کیوں

اٹھا؟ آج مدینہ شریف میں کس کا مزار فائض الانوار موجود ہے اور کل من علیہا فان کا کلیہ کس اصول سے غلط ٹھہرایا جاتا ہے اس کا کوئی جواب نہیں ہوسکا کیونکہ ایسے صریح نصوص کا جواب ہی ناممکن ہے، ہاں البتہ مولانا نے حیات شہداء سے معارضہ کیا ہے۔ مولانا! ذرا سنئے اگر اس مسئلہ میں جان ہوتی تو حیات شہداء سے قیاس فرمانے کی کیا ضرورت تھی۔

## حیات شہداء سے حیات النبی پر استدلال

مولانا حیات برزخی کا مسئلہ قیاسی نہیں ہے کہ اسے حیات شہداء پر آنحضرت صلعم کی حیات بعد الموت کو قیاس کیا جاوے، بلکہ اس کے لئے نقل کا ہونا ضروری ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہے انک میت (زمر پ۲۳) افان مات اوقتل (آل عمران) اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبہ میں ہزارہا صحابہ کی موجودگی میں فرمایا فَاِنَّ محمداً قد مات (بخاری پ۵) کہ بیشک محمد صلعم کا انتقال ہوگیا اور سب صحابہ نے اس پر سکوت فرمایا جس سے اجماع کا فائدہ حاصل ہوا بخلاف شہداء کے کہ ان کی بابت اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمایا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ کہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی سے مستفیض ہوتے ہیں۔

(۴) میں نے فرقہ بریلویہ کے سر دفتر چند دلائل کو نقل کیا تھا اور اس کے متعلق بتلایا تھا کہ یہ دلائل مدعا کی مثبت نہیں ہوسکتیں۔ افسوس کم علمی اور قلت نظر کا کتنا گلہ کیا جاوے۔ ان حضرات کو یہ خبر نہیں

کہ ان کے اپنے علماء کن کن اسلحہ سے کام لیتے ہیں، اور بڑی سادگی سے پوچھتے ہیں، کہ یہ دلائل کس نے بیان کیے ہیں۔ اب خود مولانا کو باوجود مولانا ہونے کے ایک نصیحت ضروری ہے امید کہ آئندہ اس کا ارتکاب نہ کریں گے۔ وہ یہ کہ آپ نے ص۲۶ میں دو تین مقام پر رسالہ لکھنے کا باعث چندہ گیری کو ٹھہرایا ہے پھر ص۲۹ میں لکھا ہے کہ یہ تحریف برادری کو خوش کر کے چندہ لینے کے لئے کی گئی ہے۔

## مدارس کے چندہ کا بے محل ذکر

مولانا! اس قسم کے الزام سے قطعاً احتراز فرمایئے۔ اصولی طور پر دلائل ومسائل دیکھئے دماغ میں آئے تو قبول کیجئے اور حکم الہٰی اور حکم رسالت پناہی سمجھ میں آئے تو سر و چشم جھک جایئے، اور بے جا زبان درازیوں اور فتنہ خیزیوں سے اجتناب کیجئے، مولانا! اب اس جگہ آپ کے لئے ایک اور افادہ لکھتا ہوں وہ یہ کہ اہل اسلام سے مدارس اسلامیہ کی تنظیم کے لئے چندہ زکواۃ واجبہ ونافلہ لینا کیا کوئی معیوب چیز ہے؟ جس پر آپ نے سخریہ وطنز کا لہجہ اختیار کیا ہے حالانکہ خود جناب والا نے بھی اپنے مدرسہ کے لئے ص۴۴ پر چندہ کی تحریک کی ہے ؏

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

بندۂ خدا چندہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے لیا ہے۔ آج دنیا اپنے خاص اعزہ داماد، سسر۔ سمدھی سے چندہ کے لئے لب کشائی کرتے ہوئے شرم وعار محسوس کرتی ہے اور کل تک نبی کریم ﷺ نے

خود اپنے دونوں داماد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اپنے دونوں خسر حضرت ابو بکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے برابر چندہ لیا ہے یہ وقت ہے جبکہ حضور کی ذات والاصفات اپنی تمام برکات و تجلیات کے ساتھ موجود تھی۔ ہو سکتا تھا کہ جس طرح جنگوں میں ملائکہ کے ذریعہ امداد آتی تھی اسی طرح اسلامی معاملات کے نظم و نسق کے لئے آسمان سے روپیوں اور اشرفیوں کی بھری تھیلیاں بھی آجائیں مگر ایسا نہیں ہوا۔ حضورؐ نے رہتی دنیا تک کے لئے نظم و نسق کا جو نمونہ پیش کیا اس کے مالی اخراجات کے لئے قومی چندہ کو ذریعہ ٹھہرایا پس تحضیض علیٰ طعام المسکین سے کترانا یا کسی کو شرم دلانا تکذیب دین میں داخل ہے۔

## تمام امکنہ میں نبی کریم کے حضور جسمانی و حضور علمی کی نفی

⑤ مولانا مجھ سے پوچھتے ہیں حاضر و ناظر کی بحث میں علم غیب کے دلائل کیوں لکھے گئے ہیں۔ دروغ گو را حافظہ نباشد (صفحہ ۲۶) اجی مولانا صاحب! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ہونے کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ حضور جسمانی یا حضور علمی، اگر ہر جگہ حاضر ہونے سے یہ مطلب ہے کہ آپ اپنے جسد شریف سے ہر جگہ حاضر ہیں تو یہ بات آپ کی کسر شان ہے، کہ ہر گندگی اور پلیدگی کے مقامات و نامناسب امکنہ شراب خانہ، قمار خانہ، غسل خانہ، یا ہر اس جگہ سے جہاں سے حضورؐ کو نفرت تھی وہاں آپ کا حضور بجسدہ الاطہر

مانا جائے، ایسے مقامات توشیاطین اور ارواح خبیثہ کی حاضری کے ہیں نہ کہ انبیاء اور مقدسین کے حاضر ہونے کے، اور اگر حضور علمی مانا جاتا ہے تو یہ ہم معنی ہے علم غیب کا۔ بس اس تفصیل و تشریح سے آپ کو تعلق و مناسبت کا علم ہو تو گیا ہوگا۔ اب فرمائیے حاضر و ناظر کا عنوان قائم کر کے رسالہ خیر الانبیاء کے ص۱۴ پر علم غیب کی بحث کیوں چھیڑ دی اور آپ نے کس تعلق کو سمجھا ہے؟ مولانا! آئندہ رسالہ دو برس میں لکھنا تاکہ کچھ تو سنبھلے ہوئے جملے آپ کے قلم سے نکل سکیں مولانا! حلوہ کھانا اور چیز ہے، اور کوئی علمی و تحقیقی رسالہ لکھنا دوسری چیز ہے، پس تلسی پور اور بھانبھر کا حلوہ ملیدہ اڑائیے کہ وہ بہت ہی تر نوالے ہیں اور علمی تحقیق ایک خارزار راہ ہے اس سے تو بہ بھلی ؎

## فرشتوں کے علم غیب کی نفی پر دلائل

(۶) میں نے لکھا تھا کہ آیت اتجعل فیہا من یفسد فیہا سے فرشتوں کے علم غیب کا دعویٰ کر کے نبی کریم کے لئے بھی اس کا اثبات کرنا کہ حضورؐ تو افضل ہیں تو وہ بدرجۂ اولیٰ عالم الغیب ہوں گے: بالکل مردود ہے، کیونکہ فرشتوں نے لاعلم لنا کہہ کر اقرار کیا ہے کہ ہم میں کچھ علم نہیں ہے، اس پر مولانا نے خواہ مخواہ خود اپنی فقہ حنفی سے بے گانہ ہو کر لکھا ہے کہ جتنا بھی علم خدا نے فرشتوں کو دیا اس میں اس غیب کا بھی علم ہے ص۲۷، دیکھئے مولانا کو صاف اقرار ہے کہ فرشتوں کو علم غیب تھا پس سنئے فقہ حنفی کی مشہور کتاب مالا بد منہ ہے۔ یہ قاضی ثناء اللہ صاحب

پانی پتی رح کی کتاب ہے۔ شاہ عبدالعزیز رح صاحب ان کو "بیہقی وقت" فرمایا کرتے تھے، یہی قاضی صاحب مسئلہ لکھتے ہیں کہ اگر کسے بدون شہود نکاح کردو گفت فرشتہ را گواہ کردم کافر شود، یعنی اگر کسی شخص نے بدون گواہوں کے نکاح کیا اور کہا فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں تو وہ کافر ہو جاتا ہے، پھر حاشیہ میں لکھا ہے کہ چرا کہ فرشتہ غیب نمی داند بلکہ انچہ حق تعالیٰ علم دادہ است ہماں می داند یعنی وجہ کفر یہ ہے کہ اس نے ان فرشتوں کو ٹھہرایا ہے جو کہ غیب نہیں جانتے بلکہ صرف اس قدر جانتے ہیں جتنا خدا نے ان کو علم دیا ہے لطف یہ ہے کہ اس علم غیب پر وہی دلیل بھی نقل کی ہے جو ہم نے پیش کی تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں کما فی القرآن۔ قالوا سبحٰنک لا علم لنا الا ما علمتنا وایضاً فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین (مالا بد منہ مطبع تیومی کانپور ص ۱۷۹)

اسی طرح فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ بزاریہ میں (جو صدیوں پہلے کی تصنیف ہے) لکھا ہے۔ تزوج بلا شہودٍ وقال خدا و رسولِ خدا وفرشتگان را گواہ کردم بکفر لانہ اعتقد ان الرسول والملک یعلمانِ الغیب۔

ترجمہ:- کسی شخص نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور کہا کہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فرشتوں کو میں نے گواہ کیا تو وہ کافر ہو جاوے گا، وجہ کفر یہ ہے کہ وہ رسول خدا اور فرشتوں کو عالم الغیب سمجھتا ہے، مگر علامہ صاحب

فرشتوں کے لئے علم غیب ثابت کرتے ہیں اور فقہ حنفی اس کو کفر قرار دیتی ہے اب آپ ایسے اعتقاد سے رجوع فرمالیں تو اچھا ہے۔ حلوا ملیدہ کا میں ذمہ دار۔ آپ نے خواہ مخواہ پھر علم غیب کی تعریف لکھنی شروع کر دی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چبائے لقمہ کو آپ بار بار پسند کرتے ہیں، آپ نے پھر ذاتی، وہبی کی فرسودہ بحث کو لکھا ہے، اس پر مفصل کلام آ ہی رہا ہے، آخر میں آپ نے لکھا ہے لامذہبیت کے جھولے میں کچھ ہو تو سامنے لاؤ۔ پس مولانا وہی ائمہ فقہ کے کفر کا حلوا نما فتویٰ حاضر ہے۔

## علم غیب ذاتی وعطائی کی تردید | ⑦

میں نے لکھا تھا کہ حضور علم غیب نہیں جانتے

اس پر دو آیتیں پیش کی تھیں پہلی آیت لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ۔ ترجمہ یہ ہے کہ آسمان اور زمین کی غیب کوئی نہیں جانتا۔ دوسری آیت مختصر یہ ہے کہ لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک (سورۂ ہود) یعنی حضور حسب ارشاد الٰہی فرماتے ہیں کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب ہی جانتا اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ یہ دونوں آیت شریفہ حضورؐ سے علم غیب کی نفی پر کافی وضاحت سے روشنی ڈالتی ہیں مگر تعصب اور سخن پروری کا برا ہو کہ ان میں بھی دور از کار تاویلات کر ڈالی گئی ہیں۔ ذرا مولانا کی شرافت علم ملاحظہ کیجئے۔ میں نے لکھا تھا کہ حضور فرماتے

ہیں کہ غیب یعنی ظاہر و باطن کا علم بجز خدا کے مجھ کو بھی نہیں اس پر ہمارے مولانا نے دو تین مقامات پر مذاق اڑایا ہے کہ دیکھو فاضل رحمانی غیب کے معنی باطن کے ساتھ ظاہر بھی کرتا ہے۔ مولانا آپ کی طبع شریف اسے سبقت قلم پر محمول نہ کر سکی اور آپ نے اسے اپنا علمی شاہکار اور اپنی بڑی زبردست نکتہ رسی سمجھ کر بار بار اسے پیش کیا ہے چنانچہ ص۲۸ اور ص۳۱ پر بھی اس کو نقل فرماتے ہیں، آپ کے سرکردہ علماء کو میں خوش آمد کہنا ہوں جن کے سامنے آپ اس نکتہ عجیبہ کی پیش کش سے داد لینا چاہتے ہیں، جب اہل علم ایسے ایسے نکات رسی پر اچھلیں گے تو علم کا دریا برد ہو جانا ہی اچھا۔ خیر مولانا اب اپنی تاویلات کا جواب سنئے۔ آپ نے لکھا ہے کہ آیت میں علم غیب ذاتی کی نفی ہے ترجمہ یہ فرمایا کہ میں آپ سے آپ غیب ذاتی کا دعویٰ نہیں کرتا یعنی حضور یہ فرماتے ہیں کہ میں ذاتی طور پر غیب نہیں جانتا، جس کا مطلب آپ نے یہ نکالا ہے کہ حضورؐ علم غیب عطائی جانتے تھے پس سنئے علم غیب میں ذاتی عطائی کا فرق لایعنی ہے۔ کیونکہ دیکھئے قیامت[۱] (الساعۃ) یا جنودِ[۲] رب (وما یعلم جنود ربک الا ھو) یا نعماء[۳] جنت (لا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین الایۃ) کے علم غیب سے حضورؐ نے خود کو بری قرار دیا ہے مثلاً قیامت کے متعلق فرمایا۔ یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا قل انما علمھا عند ربی۔

ترجمہ کے:۔ آپ سے کافر قیامت کا سوال کرتے ہیں کہ کب آئے گی

کہد یجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے۔ آپ حضرات اس علم غیب کی نفی کا یہ مطلب گھڑ لینے لگ جاتے ہیں کہ حضورؐ کو قیامت کا علم ذاتی نہیں ہے بلکہ صرف رب کو ہے لیکن ظاہر ہے کہ توجیہ و تاویل نہایت رکیک اور مہمل ہے کیونکہ یہ کہنا کہ اس (قیامت) کا مجھ کو علم ذاتی نہیں ہے بلکہ خدا ہی کو ہے، آیات کی بلاغت و اعجاز کو مسخ کرنے کے مترادف ہے کیونکہ کفار کا سوال علم ذاتی کے متعلق نہیں تھا بلکہ نفس علم کا سوال کرتے تھے، پس ان کے جواب میں یہ کہنا کہ مجھے اس کا علم ذاتی نہیں ہے بلکہ خدا ہی کو ہے بالکل فضول اور لغو سا جواب بن جاتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم اس الزام سے پاک اور بری ہے اور اگر بفرض محال ان آیات کا مطلب یہی ہوتا تو ضرور تھا کہ وہ سوال کرنے والے کفار عرب جو صاحب لسان اور ان آیات کے اصلی مخالف تھے وہ بھی یہی سمجھتے، پس اس صورت میں لامحالہ ان کی طرف سے کہا جاتا کہ حضرت مجھ کو علم ذاتی اور عطائی سے بحث نہیں ہم تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی، اگر آپ کو اس کی کچھ خبر ہو تو بتلا دیجئے لیکن ان کی طرف سے یہ نہیں کہا گیا کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اہل لسان نے بھی ان آیات کو علم ذاتی کی نفی پر محمول نہیں کیا بلکہ انھوں نے بھی اس کا مطلب یہی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی قیامت کا مطلقاً علم نہیں۔

پس اس تفصیل سے اس خیال باطل کی قطعی بیخ کنی ہو جاتی ہے کہ قیامت جنود رب وغیرہ غیوب کی نفی میں غیر اللہ سے صرف علم ذاتی

کی نفی کی گئی ہے نہ کہ علم عطائی کی ۔ اب اپنے پیش کردہ سورۂ انعام کی آیت کو لیجئے ۔ علامہ خازن تفسیر خازن جلد ثانی میں لکھتے ہیں ۔ قالوا له اخبرنا بما یمصالحنا ومضارنا فی المستقبل حتی نستعد لتحصیل المصالح ودفع المضار فاجابهم بقوله ولا اعلم الغیب فاخبرکم بما تریدون ۔ (خازن مصری ص۱۷)

یعنی مشرکین نے حضورؐ سے سوال کیا کہ آپ نبی ہیں تو زمانہ آئندہ میں جو کچھ ہم کو نفع و ضرر سے واسطہ پڑنے والا ہے اس کی ایسی خبر دیجئے تاکہ ہم اس کی روشنی میں صرف نفع بخش معاملہ کو اختیار کریں اور ضرررساں معاملات سے دور رہیں، آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں غیب نہیں جانتا جو مستقبل کی باتیں تم کو بتلا سکوں، ہم تو حضورؐ کے اس فرمان کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ آپ ان کے جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ میں علم غیب مطلقاً نہیں جانتا اور علم ذاتی کی نفی کرنے والوں کا یہ مطلب نکلے گا کہ آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں علم غیب ذاتی نہیں جانتا جو تم کو امور مستقبلہ کی خبر دے سکوں، ظاہر ہے کہ یہ جواب بریلوی اصول کے مطابق نہایت لامعقول بن جاتا ہے کیونکہ امور مستقبلہ کی خبر وہ شخص بھی دے سکتا ہے جو ذاتی علم رکھتا ہو اور وہ شخص بھی دے سکتا ہے جو عطائی رکھتا ہو ۔ مثلاً کسی حکیم کو بوعلی سیناؒ وغیرہ کی کتب طبیہ کے وسیلہ سے معلومات حاصل ہیں یہ اس کا علم عطائی ہوا ۔ اب اگر اس سے کوئی شخص نسخہ و دوا چاہے تاکہ آئندہ اس کی

صحت خوشگوار رہے تو حکیم یہ کہنے لگ جائے کہ بھائی یہ طب وحکمت کی باتیں آپ سے آپ نہیں جان سکا ہوں تاکہ کوئی نسخہ اور دوا تجویز کردوں تو کیا حکیم کا یہ جواب معقول ہوگا ہرگز نہیں، کیونکہ تجویز اور تشخیص کا کام جس طرح وہ حکیم اول کرسکتا ہے جو طب وحکمت کا علم ذاتی رکھتا تھا اسی طرح آج تک وہ تمام حکماء بھی کرسکتے ہیں جو کتابوں کی تحصیل وتعلیم کے ذریعہ سے علم عطائی رکھتے ہیں، اس آیت کی تشریح میں بعض علماء کی لغزش قلم سے علم ذاتی کی نفی لکھی گئی ہے اس کا کسی عالم کی طرف انتساب کرنا اس کے دامن علم کے لئے داغ ہے، کیونکہ اہل مکہ کا سوال علم ذاتی کے متعلق نہ تھا پھر ان کے جواب میں علم ذاتی کی نفی کرنا سوال از آسمان جواب از ریسمان کی مصداق ہے۔

## آنحضرت سے علم غیب کی نفی بطور انکسار وتواضع نہیں ہے

۲۷ علم الغیب کا دوسرا مطلب آپ نے یہ لکھا ہے کہ حضور کا یہ فرمانا کہ میں غیب نہیں جانتا بطور تواضع وانکسار کے ہے جس کا مطلب یہ نکلا کہ آپ دراصل غیب تو سب کچھ جانتے تھے مگر آپ کی تواضع وفروتنی تھی کہ آپ نے بہ جاننے کا اقرار کیا اس میں تو شک نہیں کہ آپ کے اس کلام میں تواضع وانکسار کا بھی پہلو ہے لیکن اس تواضع کا یہ مطلب سمجھنا کہ فی الواقع آپ کو ان تمام غیوب کا علم تھا اور آپ نے بطور انکسار معاذ اللہ خلاف واقع عدم علم ظاہر کیا (جیسا کہ ان مدعیان علم غیب کا گمان ہے) انتہائی جہالت ہے، پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ اپنے متعلق خود حضور کا یہ اپنا

بیان نہیں ہے جو حضورؐ کے تواضعاً کہنے کا گمان کیا جادے بلکہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے اور قرآن پاک میں وارد ہے اور حق تعالیٰ اور اس کی کتاب اس سے بری ہے کہ کسی عنوان سے بھی اپنے محبوب رسولؐ کے کسی واقعی کمال کی نفی کر کے ان کے مرتبہ کو کم دکھلائے۔

## تفسیر خازن کی ایک عبارت میں خیانت

اب مولانا کی ڈھٹائی اور جرأت وخیانت کو بھی دکھلاتا ہوں جو خازن کی عبارت نقل کرنے میں حضرت والا نے فرمائی ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خازن کی عبارت کو آپ نے خود ملاحظہ نہیں فرمایا کسی نے جو کچھ لکھ دیا آپ نے اس کو اسی طرح چھاپ دیا مقابلہ واصلاح کی زحمت گوارا نہ فرمائی۔ اچھا مولانا! آئیے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟ آپ کی خیانت یا جہالت آپ ہی کو بلا آرسی کے نظر آجائے گی۔ آپ اپنے رسالہ صـ۲۸ کی اخیر دونوں سطروں میں خازن کی عبارت اس طرح نقل کرتے ہیں۔ وانما نفی عن نفسہ الشریفۃ ھذہ الاشیاء تواضعا للہ تعالیٰ واعترافا للعبودیۃ فلست اقول شیئا من ذالک ولا ادعیہ۔ آیئے تفسیر خازن میں یہ مرتب عبارت کس جگہ پر ہے دکھلایئے اگر نہ دکھلا سکے اور قیامت تک انشاء اللہ نہ دکھلا سکیں گے تو سر بازار ندامت وخجالت سے جھک جایئے کہ دنیا آپ کو کہدے ؎

پسینہ پوچھیئے اپنی جبیں سے

مولانا! تم نے سمجھا تھا کہ میری طرح دوسرا بھی خازن نہ دیکھے گا۔ مولانا

یہاں بال کی کھال ادھیڑلی جاتی ہے اور اصلیت بے نقاب کی جاتی ہے۔

ناظرین کرام! زیر خط عبارت خازن میں ولا اقول لکم انی ملک کے ماتحت ہے اور پوری عبارت یہ ہے۔ قالوا ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق یتزوّج النساء فاجابھم بقولہ ولا اقول لکم انی ملک لان الملک یقدر علیہ و یشاھد ما لا یشاھدون فلست اقول شیئاً من ذالک ولا ادّعیہ فتنکرون قولی وتجحدون امری۔ یعنی کفار مکہ نے کہا یہ رسول تو کھانا کھاتا ہے، بازار جاتا ہے۔ عورتوں سے نکاح کرتا ہے تو حضورؐ نے جواب دیا کہ میں فرشتہ نہیں ہوں، فرشتوں کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی، اور فرشتہ ان چیزوں پر بے شک قدرت رکھتا ہے جس پر عام انسان قدرت نہیں رکھتے اور وہ تجلیات ومشاہدات حاصل کرتے ہیں جو عام انسان حاصل نہیں کرسکتے، پس میں ان میں سے کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا کہ تم میرے پیغام اور نبوت کا انکار کرسکو کیونکہ اگر میں فرشتہ ہوتا، اور بالاتر قدرت کا دعویٰ کرتا اور دوسری طرف بازار جاتا اور کھانا وغیرہ کھاتا پیتا تو تم کو قول وعمل میں ایک تضاد نظر آتا کیونکہ فرشتے نہیں کھاتے پیتے اور یہ تضاد وجہ انکار بن سکتا تھا، لیکن جب میرا ایسا دعویٰ ہی نہیں ہے تو اس پر انکار مرتب نہیں ہو سکتا، اب دیکھئے مطلب اپنی جگہ پر بالکل صاف ہے۔ مولانا نے یہ خیانت اور کتر بیونت کی ہے کہ خازن

کی دوسری عبارت کے آخر میں زیر خط والے جملوں کو لے جا کر جوڑ دیا ہے تاکہ مضمون یہ نکل آئے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔ افسوس مفسرین کی ارواح لطیفہ پر کتنا ظلم ہے کہ جو بات وہ نہیں بھی کہنا چاہتے ان پر چسپاں کی جاتی ہے۔ تاکہ مولانا کی بات بنے ورنہ مولانا سے پوچھیئے اور مجلس سے اٹھنے نہ دیجیئے کہ یہ عبارت اپنی نقل کردہ ترتیب کے مطابق خازن میں دکھلائیں اور اگر نہ دکھلا سکیں اور قیامت تک نہ دکھلا سکیں گے تو یہ مصرعہ سنا دیجیئے ؎

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

ہاں علامہ خازنؒ نے اس انکار میں تواضع کا پہلو دکھلایا ہے اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں کہ بیشک علم غیب کی نفی میں تواضع کی شان بھی پوری طرح نمایاں ہے۔

## تواضع کا مفہوم لینے سے منصب نبوت پر حرف آتا ہے

سوچیئے کہ اگر تواضع کا وہی معنیٰ مراد ہو جو آپ لیتے ہیں یعنی حضورؐ حقیقتاً تو غیب جانتے تھے لیکن تواضع کے طور پر نہ جاننے کا اظہار ہے، تو جناب مولانا آپ کو پھر اسی جگہ پر ماننا پڑے گا کہ تواضع کے طور پر فرشتہ ہونے کا انکار بھی تھا۔ کیونکہ خازن نے تواضع کی ایک ہی عبارت سب کے لئے لکھی ہے۔ پس لازم آئے گا کہ آپ یہاں بھی کہدیں کہ حضورؐ دراصل تو فرشتہ ہی تھے لیکن تواضعاً فرشتہ کا انکار کیا لیکن اس کا قائل دنیا جہان میں کوئی بھی ذی علم

نہیں ہے۔ پھر سوچئے خازن کے حوالہ سے میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ کفار نے حضور سے اعتراض اور چیلنج کے طور پر کہا تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آئندہ آنے والے موقعہ کے لحاظ سے ہمارے مصالح ومضار کا تعین فرمائیے (خازن مصری جلد ثانی ص۱۷۱) اس پر آپ نے فرمایا لا اعلم الغیب کہ میں غیب نہیں جانتا پس امور غیبیہ نہیں بتلا سکتا۔ اب بقول آپ کے یہ مطلب ہوا کہ حضورؐ تو حقیقتاً علم غیب جانتے تھے مگر بطور تواضع و فروتنی کے کفار سے فرمایا کہ بھائی میں غیب نہیں جانتا ہوں۔

مولانا! ذرا دیانت وعقل کی روشنی میں دیکھئے کہ کفار کے سامنے ان کے ایسے صبر آزما طنز و چیلنج کے موقع پر عاجزی وانکساری برتنے کا یہ کوئی موقع تھا۔ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ علم رکھتے ہوئے ایسے موقع پر سکوت و فروتنی وانکساری برتنا سخت نازیبا بات ہے۔ اگر مولوی عتیق الرحمٰن صاحب سے کوئی معاند اسلام آریہ یہ کہے کہ اگر تم مسلمان عالم ہو تو اسلام کی خوبیاں دلائل سے بتلاؤ اور ادھر مولوی صاحب دلائل کو جانتے بھی ہوں لیکن اس وقت یہ کہہ دیں کہ میں نہیں جانتا ہوں، اور ایسا محض تواضع وانکسار کے طور پر کہدیں تو کیا دنیا جہان میں کوئی دردمند اسلام حضرت مولانا کے اس انکسار و تواضع کو برمحل تصور کرے گا اور کیا یہ رویہ کسی حکمت و دانائی کا رویہ ہوگا؟ پس جس طرح آپ کی شانِ علم کے لئے اس موقع پر لا اعلم کہنا زیبا نہیں۔ اسی طرح اس موقع پر حضورؐ کا لا اعلم تواضع کے طور پر کہنا قطعاً برمحل اور شایانِ مصلحت نہیں

ہے۔ پس آپ نے تواضع کا غلط مضمون سمجھ کر دراصل علامہ خازن کی روح پر دوسرا ظلم کیا ہے، کیونکہ یہی علامہ خازنؒ کفار کے اس چیلنج کو نقل کرتے ہیں، اور پھر حضورؐ کے جواب لاا علم الغیب ولاا قول لکم انی ملک میں تواضع بھی بتلاتے ہیں، پس اس کا غلط مطلب لینے اور اس کو حقیقی علم غیب رکھتے ہوئے تواضعًا انکار کرنے پر محمول کرنے سے لازم آتا ہے کہ علامہ خازن کفار کے چیلنج اور ایسے سخت نوٹس کے موقع پر حضورؐ کے بطور تواضع لا اعلم کہنے کی تشریح کو پسند کرتے ہوں، حاشا عن ذالک۔ پس علامہ خازن کی ذات شریف کو ایسے رکیک اور مردود مطلب لینے سے بری کرنے کے لئے ان کی دونوں عبارتوں کفار کے چیلنج اور تواضع کو صرف اسی مطلب پر محمول کیا جا سکتا ہے جو میں نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ آپ چونکہ حقیقتًا عالم الغیب نہ تھے، اور حقیقتًا فرشتہ نہ تھے، اس لئے آپ نے صاف صاف فرمایا کہ امور غیب وہ بتلائے جو عالم الغیب ہو میں عالم الغیب نہیں، اور کھانا پانی سے وہ شخص علاقہ نہ رکھے جو فرشتہ ہو، میں فرشتہ بھی نہیں، پس آپ نے جب کفار کے سامنے سر مجلس اپنی حیثیت بشری کا صاف صاف اقرار فرمایا اور اپنے اس اعتراف میں اپنی پوزیشن کو کچھ گرتا ہوا بھی نہ سمجھا تو اس سے آپ کی اعلیٰ درجہ کی عبودیت اور آپ کے عبد متواضع ہونے کا صاف صاف پتہ بھی چلا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا یہی حال اور یہی شان ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ. لن یستنکف المسیح ان یکون عبدا للہ ولا الملٰئکۃ المقربون

پس ولا أعلمُ الغیب میں تواضع کی بنا پر انکار سے غیب کا مضمون پیدا کرنا اور سمجھنا بہر نوع غلط اور باطل ثابت ہوا۔ فالحمد للہ ۔

تیسرا مطلب لا أعلم الغیب کا آپ نے یہ لکھا ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا ص۲۹ اس سے آپ کا شاید یہ مطلب ہے کہ حضورؐ یوں تو عالم الغیب ہیں مگر خواہ مخواہ اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔ جناب یہ مطلب آیت کی شان نزول کے خلاف ہے، آیت میں تو آپ کی غیب دانی سے متعلق کچھ سوال اور مطالبہ تھا۔ پس آپ کا اس موقع پر دعوی کرنا خواہ مخواہ تو نہیں ہو سکتا تھا بلکہ دراصل یہی تو وہ موقع تھا جس میں آپ کو اپنی پوزیشن کا اظہار ضروری ہوگیا تھا چنانچہ آپ نے لا أعلم الغیب فرما کر واضح کر دیا کہ میں علم غیب کا دعویٰ ہی نہیں رکھتا، پس جو شخص ایسا دعویٰ رکھے اس سے اپنے آئندہ کے نفع وضرر کا سوال کرو پوری بات ختم ہوگئی۔ اب اس سے علم غیب کا ثبوت کیسے نکل آیا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتے اور ایسے موقع پر بھی نہیں کرتے جب کہ بشرط علم دعوی کرنا ضروری تھا تو تم کون ہوتے ہو جو حضورؐ کی غیب دانی کا دعویٰ کرو۔ شرطِ اطاعت تو یہ ہے کہ حضورؐ غیب دانی کا دعویٰ نہ کریں تو تم بھی حضورؐ کے لئے غیب دانی کا دعویٰ نہ کرو۔

### تفسیر کبیر کی عبارت میں خیانت

آپ نے عبارتیں لکھ دیں مگر اس کا مطلب خاک نہ سمجھے۔ چنانچہ آپ تفسیر کبیر کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ ای ولا ادعی کونی موصوفا بعلم اللہ

بمجموع هذين الكلامين حصل منه لاادعى الالوهية یعنی میں اللہ کے علم سے متصف ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ میں خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ علامہ صاحب! آپ نے اس کو اس خیال سے نقل کر دیا کہ اس عبارت سے علم غیب کے دعویٰ کی نفی مراد ہونے پر تائید حاصل کی جائے، کیونکہ اس میں لا ادعی دعویٰ نہیں کرتا ہوں موجود تھا لیکن بھلے آدمی اتنا نہ سوچا کہ یہی عبارت آپ کے حق میں سم قاتل بھی ہے کیونکہ تفسیر کبیر کی اس عبارت کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم (علم غیب) کے ساتھ متصف ہونے کا میں دعویٰ نہیں کرتا۔ پس اس عبارت نے یہ مسئلہ صاف کر دیا کہ علم غیب کا کسی کے لئے دعویٰ کرنا اس کے لئے خدائی دعویٰ کرنے کے مترادف وہم معنیٰ ہے، پس اب سنئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا دعویٰ کر کے آپ حسب تفسیر امام رازیؒ حضور کے لئے خدائی کا دعویٰ کرنے کے الزام کے مرتکب ہوئے۔ میرے پاس تفسیر کبیر نہیں ہے لیکن فراست ایمانی سے کہتا ہوں کہ اس جگہ بھی آپ نے اپنی مطلب براری کے لئے عبارت میں کچھ حذف و اسقاط اور کتر بیونت ضرور کی ہے کیونکہ آپ اس طرح لکھتے ہیں۔ لا ادعى كونى موصوفا بعلم الله وبمجموع هذين الكلامين حصل (خیر الانبیاء ص۲۹)

اب دیکھئے لا ادعى كونى موصوفا بعلم الله صرف ایک کلام ہے کیونکہ کلام جملہ مستقلہ مفیدہ کو کہتے ہیں۔ حالانکہ آپ اس طرح نقل کرتے

ہیں و بمجموع ھذین الکلامین حصل اس سے معلوم ہوا کہ دو کلام اور دو جملہ مستقلہ تھے، اور آپ نے بد دیانتی سے وہ دوسرا جملہ (کلام) جو آپ کے مطلب کے لئے مفید نہ تھا۔ سرے سے غائب ہی کر دیا، مگر آپ کی نحوی عبارت ہی سے ہم نے اس سرقۂ لطیفہ کو سر بازار آشکارا کر دیا، آپ نے روح البیان کا ایک قول لا اعلم الغیب کے سبب لا ادعی الخ کا نقل کیا ہے چونکہ باب تفسیر میں اس کے مصنف اسمٰعیل آفندی کے قول کی ائمہ تفسیر کے مقابلہ میں کوئی خاص وقعت نہیں ہے، اس لئے ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

## تفسیر مدارک کی عبارت میں قل کا بلا وجہ اضافہ

مولانا آپ نے مدارک سے عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ بھی کیا ہے آپ کی علمی بے مائگی اور دعوی مولویت پر اتنا ترس آیا کہ جی نہیں چاہتا کہ اس پر نظر و تنقید کر کے علمی برادری میں آپ کو رسوا کروں۔ لیکن مولانا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ھدایۃ النحو پڑھنے اور سمجھنے کی بھی اہلیت نہیں ہے۔ تفسیر مدارک کی اصل عبارت یہ ہے۔ ومحل (ولا اعلم الغیب) النصب عطفا علی محل عندی خزائن اللہ لانہ من جملۃ المقول کانہ قال لا اقول لکم ھذا القول ولا ھذا القول (مدارک مصری ج ۲ ص ۱۷)

مولانا نے کمال کیا ہے کہ قل بڑھا دیا ہے۔ آیت قرآن میں اور تفسیر کے نقل میں عبارت کا بھی بے جا اضافہ ہے، اسی وجہ سے کہتا ہوں

کہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے رسالہ کی تیاری میں خود محنت نہیں کی ہے اور اصل کتاب کی طرف مراجعت کی زحمت بھی گوارا نہیں فرمائی ہے۔ خیر مولانا کا ترجمہ دیکھئے جس سے آپ کو پتہ چلے گا کہ مولانا نے عبارت کو خاک بھی نہیں سمجھا اسی لئے کہتا ہوں کہ بس حلوا و ملیدہ کے مولانا ہیں، سنئے ترجمہ لکھتے ہیں یعنی لا اعلم کا اعراب زبر ہے عندی خزائن اللہ کے محل پر عطف کی وجہ سے (خیر الانبیاء صہ ۲۹)

**تفسیر مدارک کی ایک نحوی ترکیب سے جہالت**

اے حضرات! آپ کو کیا بتلاؤں مدارک والے تو بیچارے نحوی ترکیب بتلاتے ہیں کہ لا اقول لکم عندی خزائن اللہ میں جس طرح عندی خزائن اللہ لا اقول کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اسی طرح لا اعلم الغیب بھی اسی پر عطف ہونے کی وجہ سے نصب کے محل میں واقع ہے۔ چنانچہ بیچارے اس کی تفسیر بھر کرتے ہیں کہتے ہیں اب عبارت گویا یہ ہوگئی۔ لا اقول لکم ھذا القول ولا ھذا القول۔ مگر آہ لمبے لمبے جبّہ وعمامہ والا مولوی ایک نحوی ترکیب کو نہ سمجھ سکا، اور کس دماغ سے لکھ دیا ہے کہ لا اعلم کا اعراب زبر ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

پھر تعجب ہے کہ اس کتاب کو تقریظ میں سراہا گیا ہے۔ فقیر عبد الحمید صاحب بنارسی بھی اس کو نہ سمجھ سکے، ایں خانہ تمام آفتاب است۔ پھر علامہ نے علامہ نسفی رح کے اس قول کو کس مطلب سے یہاں نقل کیا۔ وہ تو صاف مذہب حنفیہ کو بیان کرتے ہیں کیونکہ وہ آیت کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ فرمان رسول یہ ہے کہ نہ میں غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اور نہ خزائن اللہ کے مالک ہونے کا قول کرتا ہوں۔ پس ہم کو بھی لازم ہے کہ ہم ایسا قول زبان سے نہ نکالیں۔

**افادہ**:- یہ آیت سورہ ہود میں بھی ہے۔ وہاں بھی علامہ خازن نے ولا اعلم الغیب

کے مطلب میں لکھا ہے ولا ادعی علم ما یغیب عنی ما یسرونہ فی نفوسھم یعنی اسرار نہانی کا دعویٰ نہیں کرتا۔ آگے لکھتے ہیں۔ لا یعلم ما فی ضمائرھم الا اللہ کہ دلوں کی باتوں اور بھیدوں کو نہیں جانتا بجز اللہ کے۔ (خازن مصری جلد ثانی ص ۳۲۹) اسی مقام سے اس کا بھی صاف صاف فیصلہ ہو گیا کہ علم غیب کے دعویٰ نہ کرنے کا مطلب یہی ہے کہ آپ اسرار و ضمائر کے غیوب کو جانتے ہی نہیں۔ پس یہ مطلب غلط ہو گیا کہ جانتے تو ہیں لیکن دعویٰ نہیں کرتے۔ پس مولانا اس قسم کی دیگر ہم معنیٰ و ہم مضمون آیات کو دیکھ کر فیصلہ کرنا تھا مگر آپ کو حلوا والے مضامین کے سوا دقیق مضامین سمجھنے کی فرصت کہاں؟ چوتھا مطلب آپ نے یہ لکھا کہ لا اعلم الغیب کا یہ مطلب لیا جائے کہ میں کل علم غیب نہیں جانتا ہوں۔ بیشک یہ ہمیں تسلیم ہے کہ آپ کل غیب نہیں جانتے تھے، بلکہ صرف بعض جانتے تھے، مگر جس بعض پر کہ آپ مطلع کر دیئے گئے پھر وہ غیب نہیں رہ گیا بلکہ وہ آپ کا معجزہ ہو گیا۔

مولوی عتیق الرحمٰن صاحب نے اپنے رسالہ ص ۳ پر

**افادۂ جلیلہ** :۔ لکھا ہے کہ مفسرین نے آیت لا اعلم الغیب میں علم ذاتی وغیرہ کی قید لگا کر ان آیتوں اور حدیثوں کو بنایا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو علم غیب عطا فرمانے کا ذکر کیا ہے۔ مولانا! اب اس جگہ میں اس طرح لکھتا ہوں کہ اس سے عام ناظرین کرام کے ساتھ آپ بھی فائدہ اٹھائیں گے اور امید کہ اس کے مطالعہ سے آپ کا خلجان رفع ہو سکے گا۔ مگر مولانا معاف فرمایئے گا۔ تنقیح مقام کے لئے منطقی کانٹے سے تول کر یہ حلوا حاضر کروں گا۔ کیونکہ میرے نزدیک منطق

ایک آلہ قانونیہ ہے جس کی مراعات سے انسان خطائی الفکر سے بچ جاتا ہے۔ پس آپ بھی دماغ حاضر کر کے اس کے سمجھنے میں شریک ہو جائیے۔

## بعض غیوب پر اطلاع اور رفع ایجاب کلی میں تضاد نہیں

مولانا سنئے! موجبہ جزئیہ سالبہ کلیہ کی نقیض ہے لیکن رفع ایجاب کلی کی نقیض نہیں ہے، پس ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں غیوب کے لئے رفع ایجاب کلی کا عقیدہ رکھتے ہیں، یعنی ہم آپ سے غیوب کا ایجاب کلی مرتفع کرتے ہیں۔ پس آپ سے اگر بعض جزئیات منتشرہ کا علم ثابت ہو جائے تو کیا حرج ہوا اور کیا تضاد لازم آیا۔ پس ضرورت کیا ہے کہ تطبیق و توجیہ کے لئے کسی تاویل و تحریف کا دروازہ کھولا جاوے اور نفی علم غیب[۱] اور بعض غیوب[۲] کے ثبوت کے موقع پر ذاتی اور غیر ذاتی کی بالکل غلط بحث کو سامنے لایا جائے۔ آپ نے دو جگہ ذاتی و غیر ذاتی کی بنا پر تفسیر کی، اور ہم نے دو جگہ بدلائل اس کی تردید کر دی ہے۔ ایک مقام پر حصہ اول میں دوسرے مقام پر حصہ دوم میں، صفحہ الٹ کر دیکھ لیجئے علم ذاتی کا احتمال بالکل مردود ہے۔ بہرحال بلا اختیار تاویل صرف یہی بات درست ہے کہ آپ کے حق میں غیوب کا رفع ایجاب کلی تسلیم کیا جاوے، کیونکہ اس صورت میں ان روایات سے کوئی تعارض

نہیں ہوسکتا۔ جس میں بعض امور مستقبلہ اور پیشین گوئیوں کا ذکر ہے، اس لئے کہ ان روایات سے صرف علم جزئی ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور ہم لکھ چکے ہیں کہ ایجاب جزئی اور رفع ایجاب کلی میں کوئی منافات نہیں ہے۔ پس اگر سند چاہیئے تو قطبی کی یہ عبارت پڑھ لیجئے ـــ

رفع الایجاب الکلی اعم من السلب عن الکلی والسلب عن البعض مع الایجاب للبعض (قطبی تصدیقات ص۵)

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ مدعیان علم غیب ثابت کرنے کے لئے جو روایات پیش کرتے ہیں ان سے صرف جزئیات منتشرہ کا علم ثابت ہوتا ہے اور ہم اس کے منکر نہیں ہیں کیونکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بعض امور غیوب و مستقبلہ کی اطلاع بخشی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی ایسی سیکڑوں ہزاروں جزئیات منتشرہ کا علم دیا ہو، ہاں اس کے ساتھ ساتھ ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان امور کا علم کلی حق تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

**حقیقت غیب** جس بعض غیب پر کہ آپ مطلع دیئے گئے ہیں اب وہ غیب نہیں رہ گیا بلکہ معجزہ ہوگیا صاحب مدارک نے لکھا ہے والغیب مالم یقم علیہ دلیل ولا اطلع علیہ مخلوق ـ یعنی غیب وہ بات نہیں ہے جس پر مخلوق مطلع ہو یا اس پر دلیل قائم ہو۔ (مدارک ج ۳ ص ۳۹)

دیکھئے فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاوی شامی جلد سوم ص۴۵۸ میں علم غیب کی بحث میں لکھتے ہیں۔ واما ما وقع لبعض الخواص کالانبیاء والاولیاء بالوحی اوالالہام فھو باعلام اللہ تعالیٰ فلیس مما نحن فیہ۔ کہ انبیاء اور اولیاء کو جو باتیں وحی الہٰی یا الہام سے معلوم ہوئی ہیں۔ وہ باب غیب سے نہیں ہے بلکہ القاء ربّانی اور معجزہ کے قبیل سے ہے۔ اور علامہ صاوی نے بھی لکھا ہے کہ غیوب جو بذریعہ وحی معلوم ہوں۔ وہ معجزہ ہے۔ (حاشیہ جلالین سورۂ یوسف ص۱۹۷)

(۷) میں نے لکھا تھا کہ ہر جگہ کے واقعات وجزئیات کا دیکھنے والا ان چشم دید واقعات وحالات کا ضرور عالم ہوتا ہے۔ اب اسی پر مولانا اردوداں حضرات کے وسیلہ سے مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کا مشارٌ الیہ کہاں ہے۔ حضرت من! مجھ کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ حضرت پر یہ مثل کہ مینڈکی کو بھی زکام ہے، صادق ہے۔ خیر اگر طبع رنگیں چاہ گئی ہے کہ کسی اور طرز کا کلام کیا جاوے تو کوئی حرج نہیں ہے، اس پر بھی طبع آزمائی فرمالیں۔ مولانا آپ کی اردو کی ایسی فاش غلطیاں پیش کروں گا کہ خود آپ کو بھی نظر آجائے کہ کسی اہل نظر کے ہاتھ میں پڑ گیا تھا

ہماری نظروں میں آؤ تو ہم دکھائیں تمہیں
ادا تمہاری کہ تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے

اچھا مولانا ! اگر بالفرض کوئی مرجع قریب موجود نہ ہوتا تو کیا معلومات ذہنیہ کی طرف اشارہ نہیں ہو سکتا، شرح تہذیب کی وہ بحث بھی بھول گئے جو علامہ یزدیؒ نے ھذا غایۃ تھذیب الکلام میں لکھا ہے، اس سلسلہ میں مولانا کی ڈینگ بڑے مزے سے پڑھی۔ لکھتے ہیں کہ "حضورؐ کے علم غیب پر وہ وہ دلائل قائم کئے جائیں گے (عالم خواب میں) جس کا جواب ساری دنیا کے وہابی مل کر نہیں دے سکتے"۔ بہت خوب پھر کیا ہے آپ، ہی کا راج ہوگا یا بجوں انگلیاں گھی میں اور منہ کڑاہی میں۔ پس جلد اس حلوا خوری کا سامان کیجئے گا، ہم بڑا انتظار کرتے ہیں۔

سنئے مولانا ! جب آپ "الکلمۃ العلیاء" وغیرہ سے تنگڑے تنگڑے اقوال وغیرہ پیش کریں گے تو ہم اس کا بھی قلبہ قیمہ بنا کر حاضر کر دیں گے۔

⑧ میں نے لکھا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم تو کسی درجہ میں بھی نہ تھا، نہ ذاتی اور نہ وہبی وعطائی۔ اس پر مولانا نے لکھا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ غیب کا علم حضرت کو نہ ذاتی ہے نہ عطائی ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ حضورؐ کو کسی ظاہر و باطن کا علم نہ اللہ کا دیا ہوا ہے اور نہ خود ہے ص۱۳۱۔ آپ نے حاکمانہ ڈانٹ "پھر کہتا ہے" میں جو ظاہر فرمائی وہ آپ کو ہی مبارک رہے۔ بھلے آدمی ہمارا انکار کل غیوب کے علم سے متعلق ہے یعنی کل غیوب کا علم آپ کو ذاتی وہبی کسی درجہ میں نہ تھا بعض امور غیبیہ جو بذریعہ وحی معلوم ہوئے اور آپ کے لئے معجزہ ثابت ہوئے ان کا انکار نہیں ہے

جیسا کہ ابھی مفصل لکھ چکا ہوں اور پہلے رسالہ میں بھی لکھا تھا۔

**تضاد بیانی** آپ نے آیت وَمَا کَانَ اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللّٰہ یجتبی مِنْ رُسُلِہٖ مَنْ یَّشَاءُ (آلعمران ع)

پیش کر کے بیضاوی کی تفسیر سے یہ جملہ فیوحی اللّٰہ ویخبرہ ببعض المغیبات اور اسی طرح خازن سے فیطلعہ علی بعض الغیب جو پیش کیا ہے وہ ہمارے لئے کچھ بھی مضر نہیں، یہ تو ہمارے دعویٰ کی عین تائید ہوئی کیونکہ ان عبارت سے غیب کے بعض علم کا ثبوت نکلتا ہے اور ہم اس کے منکر نہیں ہیں کیونکہ ہم آپ کی بعض مغیبات پر اطلاع کو بطور معجزہ واقع شدہ تسلیم کرتے ہیں اور جزئیات منتشرہ جو موجبہ جزئیہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ رفع ایجاب کلی کے لئے کچھ بھی معارض نہیں، کیونکہ ایجاب جزئی رفع ایجاب کلی کی نقیض ومنافی نہیں ہوتا، لیکن آپ کا دعویٰ سالبہ کلیہ ہے، یعنی لیس بشیء من الاشیاء مخفیا علی رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم بوجہ من الوجوہ چنانچہ آپ نے اپنے رسالہ کے صہ۱ میں لکھا ہے کہ مصطفٰے سے کوئی چیز کوئی کام کوئی عالم پوشیدہ نہیں ہے۔ اور دوسری طرف آپ کی منقولہ عبارت سے بعض مغیبات کا علم اور بعض کا عدم علم ثابت ہوا تو موجبہ جزئیہ صادق آیا، اور ظاہر ہے کہ موجبہ جزئیہ سالبہ کلیہ کی نقیض ہے، پس جب موجبہ جزئیہ صادق آیا تو اس کی نقیض سالبہ کلیہ جو علم کلی ثابت کرتی تھی خود ہی غلط اور باطل ٹھہر گئی۔ فتدبر فیہ مافیہ۔

پس خازن وغیرہ کی ان عبارتوں نے خود آپ کے خیالات باطلہ کی بیخ کنی فرمائی اور لطف یہ کہ آپ کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اور تصرف قدرت یہ کہ ہماری دلیل خود آپ کے ہاتھ سے لکھوا دی۔ آپ نے اس بحث میں مجھ کو اجہل بھی بتایا ہے (ص۱۳۱) پس یہ فعل شاید قدرت کو پسند نہیں آئی۔ اس لئے آپ کے قلم سے وہ باتیں لکھا دیں جو آپ کو اجہل ثابت کر گئیں بھلا اس سے بڑھ کر اور جہالت کیا ہو گی کہ انسان اپنے ہی ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے۔

# صاحب روح البیان کی زبردست غلطی

آپ نے اس کے بعد روح البیان کے حوالہ سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تمام نبی اور رسول اور ولی حضورؐ ہی سے علم اخذ کرتے ہیں (خیر الانبیاء ص۳۲)

**الجواب:-** مولانا! اس پر کتاب و سنت سے کیا سند ہے۔ سنئے قول خواہ علامہ اسماعیل کا ہو یا مولوی عتیق الرحمٰن صاحب کا ہو قول بہر حال قول ہی ہے اگر اس قول و دعویٰ میں کچھ جان ہے تو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے، اس کی سند پیش فرمایئے کہ تمام انبیاء آدمؑ

نوحؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ ابراہیمؑ خلیل اللہ وغیرہ حضورؐ کے آگے زانوئے تلمذ خم کرکے درس لیا کرتے تھے، اور بقول آپ کے بقدر قابلیت آپ سے علم حاصل کیا کرتے تھے، کیا اب بریلوی مشن میں فضول اور جھوٹے اور لغو دعویٰ کرنے ہی کا نام محبت اور ادب باقی رہ گیا ہے، تھوڑی سی توجہ فرما کر عقلاً بھی سوچئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب زمانا تمام انبیاء سے متاخر ہیں تو اگلے متقدمین انبیاء کرام آخر آپ سے کس طرح سبق لینے جاتے رہے کیا یہ ممکن ہے کہ صدی دو صدی پہلے کا شخص اس شخص سے علم حاصل کرے جو ابھی صدی دو صدی کے بعد آنے والا ہے؟ مولانا! کیا یہ ممکن ہے کہ اگر روح البیان آپ سے ہزار برس بعد تصنیف ہوئی تو آپ اس سے ہزار برس قبل ہی فائدہ اٹھائیں اگر ایسا نہیں ممکن ہے اور ہرگز نہیں ممکن ہے، تو ایسی غلط بات سے توبہ کیجئے کہ ہزارہا برس کے پہلے انبیاء نے آپ سے سبق و علم کا اخذ و حصول جاری رکھا ہو پھر اس اعلان میں آپ نے بڑی جرأت سے کام لیا ہے کہ تمام انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے دروازے سے ہٹا دیا۔

### علم و حکمت تمام انبیاء کو صرف خدا مرحمت کرتا ہے

حق یہ ہے اور یہی قابل تسلیم ہے کہ تمام انبیاء نے بقدر استعداد اللہ تعالیٰ سے ہی فیض پایا اور اللہ تعالیٰ ہی کی وحی الٰہی اور اسی کی کتب و صحائف سے سرفراز کیے گئے افسوس کہ اللہ تعالیٰ تو ہر نبی کے لئے یہ فرماتا ہے

کہ اس کو ہم نے علم وحکمت اور فہم و وحی سے سرفراز کیا ہے اور ہمارے بریلوی مولانا قرآن کی مخالفت کرتے ہوئے حصر کے ساتھ فرماتے ہیں سب اولیاء اور انبیاء نے حضورؐ ہی سے علم حاصل کیا ص۲۳ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہ من قبل (سورۃ انبیاء) کہ ابراہیمؑ کو پہلے ہی سے رشد وہدایت ہم نے دیا ہے اسی طرح فرمایا لوطًا اٰتینٰہ حکمًا وّعلمًا (انبیاء) اسی طرح حضرت سلیمانؑ وحضرت داؤدؑ کے متعلق فرمایا ففھّمنٰھا سلیمان وکلًّا اٰتینا حکما وّعلمًا (انبیاء) ان آیات میں انبیاءؑ کی حکمت وعلم وفہم دینے کو اپنی ہی طرف منسوب فرمایا ہے علّم اٰدم الاسماء کلّھا (سورۂ بقرہ) میں حضرت آدم علیہ السلام کے لئے بھی فرمایا کہ سب تعلیم ہم نے دی ہے اسی طرح حضرت یوسفؑ کے متعلق فرمایا ولما بلغ اشدہ اٰتینٰہ حکمًا وّعلمًا (یوسف) یعنی حضرت یوسف کو ہم نے علم وفہم مرحمت کیا ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کے متعلق فرمایا ولمّا بلغ اشدہ واستویٰ اٰتینٰہ حکمًا وّعلمًا (قصص پ۲۰) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی خود ہی تعلیم دینے کا ذکر فرمایا۔ اذ قال اللہ یٰعیسی ابن مریمَ اذکر نعمتی علیك وعلیٰ والدتك اذ ایّدتّك بروح القدس تکلم الناس فی المھدِ وکھلاً وّ اذ علّمتك الکتٰب والحکمۃَ والتوراۃ والانجیلَ (سورۂ مائدہ پ۷)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے عیسیٰؑ ہماری ان نعمتوں کو یاد کرو

جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کی ہیں۔ پھر تفصیل انعام کے طور پر فرمایا۔ تم کو روح القدس کی تائید ہم نے بخشی۔ گہوارہ میں کلام کی قدرت ہم نے دی، اور تم کو کتاب و حکمت و علم کی باتیں ہم نے پڑھائیں اور تورات و انجیل کی تعلیم ہم نے دی، اسی طرح حضرت اسحاق و یعقوب وغیرہ انبیاء کے متعلق اپنے علم وحی سے سرفراز کرنے کے ثبوت میں فرمایا

وجعلنٰهم أئمة یهدون بامرنا و اوحینا الیهم فعل الخیرات و اقام الصلوٰة و ایتاء الزکوٰة وکانوا لنا عٰبدین

(انبیاء) یعنی ہم نے اپنے امر و تعلیم سے ان کو امام و ہادی بنایا، اور ان کو تمام عبادات اور خیرات کے عمل کے لئے وحی بھیجی۔ سورہ انعام میں تمام دیگر انبیاء نوحؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ، ایوبؑ۔ موسیٰؑ۔ ہارونؑ، زکریاؑ یحییٰؑ۔ عیسیٰؑ، الیاسؑ، اسمٰعیلؑ۔ الیسعؑ۔ یونسؑ۔ لوطؑ سب کا ذکر فرما کر ارشاد ہوا۔ اولٰئک الذین اٰتینٰهم الکتٰب والحکم والنبوّة فان یکفر بها هٰؤلاء فقد وکّلنا بها قوماً لّیسوا بها بکٰفرین

(انعام پ ۷) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان تمام انبیاء کو کتاب و حکم و نبوت کا علم ہم نے دیا ہے پس اگر ان کے اس عطائے ربانی کا کوئی جماعت انکار کرتی ہے (جیسے بریلوی مشن کے مولوی عتیق الرحمٰن و فقیر عبد الحمید بنارسی وغیرہ) تو اس امانت کو ہم نے دوسری قوم کے سپرد کر دیا ہے جو اس کے منکر نہ ہوں گے۔ الحمد اللہ اس کی منکر جماعت اہل حدیث اور دیوبندی حضرات نہیں ہیں۔ اس آیت میں ہمارے لئے ایک بڑی

بشارت بھی موجود ہے، بہر حال آپ کا اور آپ کے لطائف نگار مولانا اسمٰعیل صاحب کا یہ خیال کہ تمام انبیاء آدمؑ، نوحؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ وغیرہم حضورؐ ہی سے علم اخذ کرتے ہیں (ص۳۲) سرتاپا عقلاً و نقلاً غلط ثابت ہو گیا۔ فللّٰہ الحمد۔

## حضور کا حاضر و ناظر ماننا غلط ہے

مولانا صاحب یہ بھی سن لیں کہ حق تعالیٰ تو حضورؐ کے متعلق فرماتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان انبیاء کے زمانہ میں موجود ہی نہ تھے اور نہ ان کے واقعات جانتے تھے پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے معلم کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے کئی مقام پر بیان فرمایا ہے چنانچہ نوح علیہ السلام کے واقعات بیان کر کے فرمایا۔ تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ما کنت تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھٰذا (ہود پ۱۲) یہ واقعہ غیب کی خبروں سے ہے، جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی تھی پہلے سے نہ آپ ان کو جانتے تھے نہ آپ کی قوم۔ سورہ یوسف میں فرمایا۔ وما کنت لدیھم اذ اجمعوا امرھم وھم یمکرون۔ یعنی آپ یوسف علیہ السلام و برادران یوسف کے پاس نہ تھے جبکہ وہ یوسفؑ کو کوئیں میں ڈالنے کا پختہ فیصلہ و تدبیر کر رہے تھے (یوسف پ۱۳) اسی طرح سورہ قصص میں فرمایا وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسی الامر وما کنت من الشاھدین (قصص پ۲۰) یعنی اے رسول! جس وقت

ہم نے موسیٰؑ کی طرف حکم بھیجا تھا اس وقت تم مغربی جانب میں نہ تھے۔ یقیناً تم وہاں نہ تھے اسی طرح اسی سورت میں آگے ارشاد فرمایا ہے وما کنت ثاویا فی اہل مدین (قصص پ۲۰) یعنی آپ اہل مدین شعیبؑ وغیرہ کے زمانہ میں موجود نہ تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے متفرق انبیاء کرام کے قرنوں اور زمانوں کے سلسلہ میں جا بجا ذکر فرمایا کہ آپ وہاں نہ تھے۔ یہ تو بالکل ظاہر بات ہے، پس اللہ تعالیٰ حضرت نوحؑ، موسیٰؑ، شعیبؑ وغیرہم انبیاءؑ کے زمانہ میں آپ کے نہ ہونے کی تصریح کیوں فرماتے ہیں۔ یہ عقدہ اب جا کر کھلا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب چونکہ رہتی دنیا تک کے لئے آئی تھی اور اس علیم وخبیر کو علم تھا کہ ایک قوم ایسی بھی ہو گی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ اعتقاد رکھے گی کہ تمام انبیاء نے حضورؐ ہی سے علم اخذ کیا ہے۔ رسالہ ص۳۲ اور یہ التزاماً یہ سمجھے گی کہ حضورؐ ہر قرن و ہر زمانہ میں حاضر تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جا بجا حضورؐ کے متعلق یہ وضاحت کی کہ آپ ان قرنوں میں حاضر نہ تھے۔ ہم نے تو اظہار حق کے خیال سے محنت کر کے ان آیات کو پیش کر دیا ہے آپ خواہ عقیدہ باطلہ کی حمایت پر اتر آیئے یا حق واضح ہونے پر اپنے غلط مسئلہ کو واپس لے کر توبہ فرمایئے۔

**اعلام:** ہمارے علامہ صاحب علّم آدم الاسماء پر بلا وجہ تفسیر کرنے بیٹھ گئے کہ حضرت آدمؑ کو گھوڑا اور اونٹ اور پیالہ اور بہت سی چیزوں کے نام و خواص اور اوزار وغیرہ کی تفصیل بتلائی گئی۔ بے شک بتلائی گئی ہے مگر اس سے حضورؐ کے علم غیب یا حاضر و ناظر کا آخر کون سا مسئلہ

نکلا اگر یہ کہو کہ آدمؑ کے یہ علوم حضورؐ ہی سے ماخوذ ہیں تو ہم نے اس کو بدلائل عقلیہ ونقلیہ ابھی باطل ومردود کر دکھایا ہے۔ آپ نے آخر میں بڑے تاؤ سے لکھا ہے کہ اندھے وہابیو! تمہیں علم مصطفیٰ کی شان نظر نہیں آتی۔ حیرت ہے کہ ہم اس کے جواب میں کیا لکھیں؟ کیا یہ لکھدیں کہ اندھے اور کانے بریلویو! مگر ہاں ہمیں یہ طرز پسند نہیں، اس لئے صرف یہ لکھتے ہیں کہ اجی مولانا صاحب! تم کو شان خدائی نظر نہیں آتی، قرآن کا فرمان نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ کا صاف صاف یہ حکم نظر نہیں آتا کہ ہم نے انبیاء کو علم دیا ہے، اور آپ کے لطیفہ نگار بزرگ کہتے ہیں کہ اللہ نے نہیں دیا، بلکہ ہر نبی و رسول نے حضورؐ ہی سے علم اخذ کیا ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ پس تصریحات بالا کو غور سے پڑھئے، اور مریدوں کے جلوت میں نہیں خلوت میں بیٹھ کر للہ سوچئے۔ حق تعالیٰ قبول حق آپ پر آسان فرمائے۔

**ماکان ومایکون کا علم** (۹) میں نے لکھا تھا کہ کائنات میں "ماکان ومایکون" کا علم ہرگز ہرگز کسی غیر خدا میں نہیں ہے، آپ نے لکھا ہے کہ "ماکان ومایکون" کا علم اللہ تعالیٰ نے ضرور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے، اس پر آپ نے الرحمٰن علم القرآن ہ خلق الانسان ہ علمہ البیان ہ سے دلیل نقل کی ہے کہ معالم اور خازن نے انسان سے مراد محمد صلعم کو بتلایا ہے، اور بیان سے مراد "ماکان ومایکون" بتلایا ہے، اور مطلب یہ بتلایا ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا ہے اور ان کو ماکان ومایکون کا بیان سکھایا (رسالہ ص ۳۳) مولانا! اس کے جواب میں

پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ یہ تفسیر بالکل خلاف ظاہر اور مرجوح ہے، اور اسی واسطے ان مفسرین نے اس قول کو نقل نہیں کیا ہے اور خود بغوی نے بھی اس کو معالم میں دوسرے اقوال کے بعد بالکل آخر میں صرف احتمال کے طور پر ذکر کیا ہے، اس کی صحیح ترین تفسیر وہی ہے جو معالم ہی میں اس سے پہلے نقل ہے یعنی یہ کہ "انسان" سے جنس انسان اور "بیان" سے گویائی اور قوت ناطقہ مراد ہے، اور اسی کو مدارک میں علامہ نسفی نے پہلے لکھا ہے، پھر بطور احتمال حضرت آدم ابوالبشر اور حضرت محمدؐ کا نام لیا ہے، (مدارک مصری جلد رابع ص۲۰۸) اب ذرا مولانا کی وہ چالاکی وخیانت ملاحظہ فرمایئے جو آپ نے خازن کی نقل عبارت میں کی ہے،

ناظرین کرام! ساری دنیا جانتی ہے کہ باب تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کی تفسیر نہایت ممتاز اور مقبول حیثیت رکھتی ہے اور مولانا بھی ضرور جانتے ہوں گے۔ پس اب آیئے خازن کھول کر دیکھئے لکھا ہے۔

خلق الانسان یعنی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام قالہ ابن عباس (خازن مصری ج ۴ ص۲۰۸) یعنی علامہ خازن کہتے ہیں کہ انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور اس پر سند پیش کرتے ہیں کہ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کی تفسیر ہے پھر اس کے بعد بطور احتمال سب سے آخر میں لکھتے ہیں وقیل اراد بالانسان محمداً یعنی ایک کمزور قول یہ بھی ہے کہ انسان سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔

## لفظ قیل کا موقع استعمال

جناب شیخ عبدالحق صاحب دہلوی مقدمہ مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔ وما ذکرہ بصیغۃ التمریض کقیل ویقال (مقدمہ ص۳) اس سے معلوم ہوا کہ قیل ضعیف و کمزوری کے اظہار کے موقعہ پر آتا ہے۔ اب مولانا کی پہلی چالاکی یہ ہے کہ آپ نے صحیح تفاسیر کے نام بھی نہیں لئے اور ضعیف تفاسیر کو سامنے لاتے ہیں، اور دوسری چالاکی یہ ہے، کہ مفسر علامہ خازن نے اس کے ضعف پر اشارہ کرنے کے لئے قیل سے جو تعبیر کی تھی اس کو آپ نے ایک دم چاٹ لیا اور ایک دوسرا حرف ایسا بڑھا دیا کہ جو تفسیر اور تشریح کے موقعہ پر عموماً بولا جاتا ہے تاکہ دیکھنے والا بادی النظر میں یہ سمجھے کہ گویا علامہ خازن نے انسان سے یہی تفسیر مراد لی ہے۔ چنانچہ آپ نے خازن کی عبارت وقیل اراد بالانسان محمداً کی جگہ پر ای اراد بالانسان محمداً تحریر فرمایا ہے (خیر الانبیاء ص۳۳) دیکھئے یہاں پر قیل کو حذف کرکے ای حرف تفسیر بڑھا دیا۔ ذرا مولانا کی شہ رگ پکڑ لیجئے اور کہئے کہ یہ عبارت خازن میں کس جگہ ہے دکھلائیں۔

بریلی مشن کے مولویو! دوسروں کو ایمان کا ڈاکو بتاتے ہو (خیر الانبیاء ص۱۹) لیکن تم جو سر راہ دن دہاڑے ڈاکہ پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے کتابوں کے مضامین پلٹ دیتے ہو کافی ترمیم و تبدیل کرکے محرف عبارت ائمہ تفسیر کی طرف منسوب کرتے ہو تو ہم تمہیں کس لقب سے ملقب کریں؟ یہی حال علمہ البیان کی تفسیر کا ہے۔ صاحب مدارک نے لکھا ہے۔ البیان

هو المنطق الفصیح (مدارک ج ۴ ص ۲۰۸) یعنی بیان فصیح گویائی کا نام ہے
اس طرح علامہ خازن نے بیان کی تفسیر اسماء کل شیء اور اللغات سے
کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور تمام چیزوں
کے نام یا لغات و زبان سکھائی۔ علامہ خازن نے یہاں "ما کان و ما یکون"
کا احتمال اسی قیل کے ساتھ بالکل اخیر میں ذکر فرمایا ہے، لیکن ان کے
نزدیک راجح اور صحیح اسماء کل شیء ہے دیکھئے خازن مصری ج ۴ ص ۲۰۸)
مولانا نے قیل حذف کر کے آئی بڑھا کر اس کو بھی ایسے طریقے سے لکھا ہے
کہ گویا امام خازن صاحب تفسیر کا بھی راجح اور صحیح یہی مذہب ہے پس
اصل یہ ہے کہ انسان سے یا تو انسان کی جنس مراد ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ
تفسیر جلالین، مدارک، جامع البیان و دیگر تفاسیر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے
یا علامہ خازن کی ابن عباس کی سند کے مطابق انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام
ہو سکتے ہیں اور بیان سے مراد صرف گویائی ہے، جیسا کہ تفسیر مدارک میں ہے
اور جیسا کہ تفسیر جلالین میں ہے، کہ البیان النطق اور جیسا کہ جامع البیان
میں ہے البیان ای النطق والتعبیر عما فی الضمیر (مدارک ج ۴ ص ۲۰۸
جلالین و جامع البیان ص ۴۴۱) بہر حال جامع البیان و مدارک و جلالین جیسی
تفسیروں میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے کہ اس سے مراد گویائی ہے۔

**ما کان و ما یکون کے علم سے علم کلی ثابت نہیں ہوتا**

حضرت بیان سے بیان "ما کان و ما یکون" کا مرجوح اور ضعیف قول یہاں مبحث نزاع میں مراد لینا دیانتداری

کے بالکل خلاف ہے، اور اگر ان تمام چیزوں سے قطع نظر کر لیا جائے جب بھی بیان "ماکان ومایکون" کے لفظوں سے آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا، کیونکہ آپ اس کو علم غیب کلی کے معنیٰ میں لیتے ہیں، اور "ماکان مایکون"، کا ما اس عموم وکلیت پر دلالت نہیں کرتا ہے جیسا کہ میں نے پہلے حصّہ میں لکھا ہے کہ لفظ ما اتنا عام نہیں ہے کہ ممکنات واجبات ممتنعات عقلاء غیر عقلاء سب کو شامل ہو سکے۔ کتب اصول فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے (نورالانوار، تصریح وغیرہ ملاحظہ ہو)

علاوہ ازیں بیان "ماکان ومایکون" سے آپ کا استدلال تام نہیں ہو سکتا کیونکہ علم غیب کلی ماکان ومایکون سے نہیں نکلتا کیونکہ بقول آپ کے ماکان کا علم ہوا تو مَا، ماکانَ، ولوکان، کیفَ کان، اینَ کان کا علم تو ثابت نہ ہوا۔ اور اسی طرح مایکون کا علم ثابت ہوا تو مالایکون، ولویکون، کیفَ یکون ومتی یکون کا علم تو نہ ثابت ہوا۔ پس جب ان مقولات کمَ، کیفَ، اینَ، وضعَ وغیرہ کا علم "ماکان ومایکون"، سے ثابت نہ ہوا تو دعویٰ عموم وکلیت خود ہی باطل ٹھہرا۔

## افادہ برحرف مَا

یہاں تک لکھنے کے بعد دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا مجلہ محدّث بابت ماہ اکتوبر ۱۹۴۶ء پہونچا جس میں جامع المعقول والمنقول حضرت استاذنا مولانا نذیر احمد صاحب رح کا ایک مقالہ "ماکان وما هو کائن"، کے مطلب کی توضیح میں نظر آیا۔ چونکہ وہ علمی اور منطقی کانٹے سے تولا ہوا ایک معقول حلوا نما تحفہ ہے، اس لئے

ہم آپ کی خاطرداری میں اسے بھی پیش کرتے ہیں۔ پس سنئے! مولانا تحریر فرماتے ہیں۔ بیان ماکان ومایکون سے آنحضورؐ کے لئے علم کلی اور احاطۂ تامہ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ماکان ومایکون میں کان اور یکون اس بات پر صریح قرینہ ہیں کہ یہاں ما سے صرف ممکنات حادثہ مراد ہو سکتے ہیں اس لئے کہ عدم بعد الوجود (ماکان) اور وجود بعد العدم (مایکون) صرف ممکن یا مکان خاص کی شان ہے، واجب اور ممتنع ان دونوں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں۔ پس علامہ صاحب! دعویٰ کا وہ عموم جس کا اثبات آپ ضعیف ومرجوح روایت کے سہارے کرتے تھے وہ بھی باطل ہوگیا۔

ناظرین کرام! آپ کے سامنے سلطان المناظرین کی اس موقع کی تمام عیاریاں رکھ دی گئی ہیں، ان شرمناک حرکات کے باوجود جن کا مولانا نے اس آیت کی تفسیر میں ارتکاب کیا ہے الٹے مجھ کو "دزد بکف داشتہ چراغ" کے مانند یہ لکھتے ہیں۔ اللہ اللہ یہ جرأت غلط بیانوں پر صـ۳۳ علامہ کے اسی پر جلال انداز کے مطابق پوچھتا ہوں کہ اب تو آپ کی جرأت دخیانت بر سرعام آگئی ہے، تو کیا اب بھی آپ کے چہرے پر جھوٹے جلال کی کوئی رونق باقی ہے؟

(۱۰) میں نے وہم ثالث وہم رابع وہم خامس وہم سادس کے عنوان سے بریلی مشن کے بعض رکیک دلائل کو مع تردید کے پیش کیا تھا مولانا نے اس کا کچھ بھی جواب مرحمت نہ فرمایا بشرط علم کلام کرنا وبشرط انصاف تسلیم کرنا ضروری تھا مگر نہ تسلیم فرماتے ہیں نہ کچھ اعتراض ہی کرسکے۔ بس یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے

کہ اس میں آپ نے بڑی الجھن ڈالی ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ صحیح مطلب آپ ہی بتائیے تاکہ اصلاح ہو جائے۔ علامہ صاحب! حدیث شریف کے مضمون میں کچھ الجھن نہیں ہے، البتہ آپ کے غلط عقیدہ حاضر و ناظر کے خلاف ضرور ہے مفصل مطالعہ کے لئے باب الصعید الطیب وضوء المسلم کے تحت فتح الباری دیکھئے تاکہ آپ کی الجھن رفع ہو۔

## شاھد کے چند معانی (۱۱)

میں نے عجیب توہم کے ذیل میں شاھد کے معنی حاضر و ناظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر مراد لینے پر جو تردید کی تھی اس پر آپ نے جو کچھ لکھا تھا اس کا میں جستہ جستہ جواب دے رہا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

الجواب:۔ (الف) آپ نے لکھا ہے کہ لغت مفردات میں شاہد کے معنی حاضر و ناظر ہے۔ میں نے پہلے بھی لکھا تھا کہ اگر یہ معنی لغت میں ہے بھی تو ہمیں مضر نہیں، کیونکہ شاہد کے متعدد معنی ہیں، ایک معنی حاضر و ناظر ہے، جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے، ایک معنی احوال بتانے والا ہے۔ دیکھو ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب رح حنفی ایک معنی اظہار کنندہ حق بھی ہے دیکھو ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب رح (سورۃ فتح ص ۶۸۹)

چونکہ ہم بدلائل ثابت کر چکے ہیں کہ بجز حق تعالیٰ کے اور کوئی فرشتہ یا جن یا رسول حاضر و ناظر نہیں ہو سکتا اس لئے یہ بات متعین ہو گئی کہ حضور کے حق میں وہی معنی ہوں گے جو آپ کے شایان شان ہو۔

(ب) میں نے لکھا تھا کہ گواہی کے لئے مشاہدہ لازم نہیں ورنہ مرد مسلمان

اشھد ان لا الہ الا اللہ میں جو گواہی دیتا ہے تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا بھی ہے، اس پر مولانا لکھتے ہیں کہ دیکھتا نہیں ہے مشاہدہ کرتا ہے، اور وہ بھی محض بالبصر نہیں بلکہ بالبصر و بالبصیرہ اس معنی سے سب نے اللہ کا مشاہدہ کیا۔

ناظرین کرام! آپ نے اس مخبوط المعنی عبارت سے کچھ سمجھا ہو تو سمجھا ہو، میں نے تو اس عبارت کو گورکھ دھندا پایا۔ کیوں صاحب! جب اللہ کا سب نے مشاہدہ کیا اور مشاہدہ کے معنی بالبصر و بالبصیرہ دونوں ہیں تو بتایئے بالبصر والعین سب نے کب دیکھا۔ پس باصول انتفاء جزء انتفاء کل کو مستلزم ہے، لہذا مشاہدہ بھی غلط ثابت ہوا۔

(ج) ہر فطری جواب کے مقابلہ میں آپ نے نہ جانے کیا اناپ شناپ لکھ مارا ہے، بخدا آپ کا وہ مضمون بالکل الزام مالا یلزم پر مشتمل ہے، اگر میں اس کی غلطی کی تشریح کروں اور آپ کی احمقانہ تشریحات کو رکھ دوں تو آپ کی مضحکہ خیز جہالت ثابت ہوگی۔ مولانا آپ مجھے پہچانتے نہیں۔ بحمد اللہ کے میرا دماغ منطق اسلامی کا مخزن ہے، اگر آپنے جواب الجواب میں اسکے جواب کا شوق ظاہر فرمایا تو سطر سطر کی ایسی خبر لوں گا کہ اس کی بے ربطی و ہرزہ سرائی کی حقیقت خود آپ کی نظروں میں آجاوے گی لیکن یہ بہتر ہے کہ ؎

نہ اٹھواؤ قلم میرا نہ کھلواؤ زباں میری

(د) میں نے لکھا تھا کہ شاہد کے لئے جب آپ بصارت و بصیرت کو ضروری ٹھہراتے ہیں تو دن میں کون سی بصارت و بصیرت ہے حالانکہ دن کو بھی قرآن

ہیں شاہد فرمایا ہے (شاہد و شہود) اس سے میرا منشا یہ تھا کہ شاہد کے معنی اور بھی ہیں اور ہر جگہ وہ معنی مراد ہوں گے جو اس مقام کے لئے مناسب ہوں لیکن چونکہ آپ ص۳۶ پر لکھتے ہیں کہ شاہد متکثر المعنی بالکل نہیں اس لئے آپ ذمہ دار ہیں کہ دن کے لئے بصر یعنی آنکھ اور بصیرت ثابت کریں ورنہ خرط القتاد اور چونکہ ہم اس کو متکثر المعنی سمجھتے ہیں اس لئے ہم پر بصر و بصیرت کا اعتراض کسی طرح لازم نہ آئے گا۔

## (۱۴) آنحضرت کے حاضر و ناظر نہ ہونے پر ایک حدیث

میں نے احادیث شریف کے ان واقعات کو نقل کیا تھا جس سے حاضر و ناظر کی کما حقہ تردید ہوتی ہے۔ مولانا ہمارے اکثر ایرادات سے کتراتے ہوئے بعض بعض جگہ کچھ بول پڑے ہیں، اب ہم اس جگہ سے ان ہی بولیوں پر گرفت کریں گے۔ میں نے لکھا تھا کہ حضور نہ بعد الموت حاضر ناظر ہیں نہ قبل الموت حاضر و ناظر تھے، کیونکہ اجلہ صحابہ حضرت حمزہ رض وغیرہ آپ کی زندگی میں اور حضرت عثمان رض وغیرہ آپ کے ارتحال کے بعد مختلف معرکوں میں شہید کر دیئے گئے اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو بیچ بچاؤ کرتے۔ علامہ نے تو ہمارے اعتراض کو سمجھا نہیں، اور الٹا سوال اللہ تعالیٰ پر کر ڈالا اور لکھا کہ اس دلیل سے تو لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ بھی حاضر و ناظر نہ ہو کیونکہ اس نے بھی ان حضرات کے قتل کے موقع پر نہ کوئی اطلاع دی اور نہ کوئی بیچ بچاؤ کیا۔ مولانا آپ کی یہ باتیں بچوں کی سی نظر آتی ہیں۔ خدا جانے کس گوشہ میں بیٹھ کر آپ اپنے رسالہ کو لکھتے ہیں کہ وہاں عقل کی بھی رسائی نہ ہونے پائی۔ حضرت من! یہ ایراد

اس لئے ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقول آپ کے حاضر وناظر ہیں۔ تو میدان کارزار میں یہ بھی تو دیکھ رہے تھے کہ وحشی حربہ ہتھیار لئے ہوئے فلاں جگہ چھپ کر کھڑا ہے، اور جب بقول آپ کے رسول اللہ صلعم عالم الغیب تھے تو اس کی نیت کو بھی تو جانتے تھے کہ وحشی کس ناپاک ارادہ سے کھڑا ہے پس آپ کا وحشی کے ساتھ کوئی کاروائی نہ کرنا اور حضرت حمزہ رضؓ کو مطلع نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ حاضر وناظر نہ تھے کیونکہ اگر آپ حاضر وناظر ہوتے تو اب یہ موقع تھا کہ ایک کافر کو قتل کر کے اپنے رشتہ دار مسلمان کی جان بچا کر کے ثواب حاصل کرتے۔ اگر حضورؐ کو اتنا کرنے کی قدرت نہ تھی تو کسی صحابی سے کہہ کر دونوں کام کرا دیتے لیکن جب آپ نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ آپ حاضر وناظر نہ تھے، اب رہ گیا کہ خدا نے بھی تو قتل ہونے سے نہیں بچایا اس لئے لازم آیا کہ وہ بھی حاضر وناظر نہ ہوا یہ نہایت غلط معارضہ ہے کیونکہ اس کی مصلحت اور مشیت وہی تھی جس طرح کہ پیش آئی پس اس پر کوئی سوال کیسے واقع ہو سکتا ہے۔ پڑھئے آیت لا یسئل عمّا یفعل وھم یسئلونَ ٥ (سورہ انبیاء) اللہ جو کچھ بھی کرے سوال نہیں ہو سکتا اور انسان سے سوال کیا جا سکتا ہے۔

## علم مع القدرت کی نفی کا اقرار

یہاں پہونچ کر مولانا نے اپنے رسالہ کے ناظرین کو بھولا بھالا سمجھ کر ایک مزیدار بات پیش کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ناظرین بھی لطف اٹھائیں۔ پس سنئے لکھتے ہیں! جناب نفس علم انسان کو مضرت سے نہیں بچا سکتا جب تک اس

علم کے ساتھ قدرت نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ شہداء کرام کی شہادت کے وقت اگرچہ حضورؐ حاضر و ناظر تھے اور علم بھی رکھتے تھے مگر بوجہ قدرت نہ ہونے کے حضرت حمزہؓ حضرت حسینؓ کو قتل ہونے سے نہ بچا سکے، اس کی تائید میں بیضاوی کا یہ حاشیہ پیش کرتے ہیں کہ لو کنت اعلم الغیب کا مطلب یہ ہے کہ لو کان لی علم حقیقی بان اقدر علی ما ارید وقوعہ یعنی اگر مجھ کو حقیقی علم ہوتا یعنی علم مع القدرت ہوتا کہ میں اپنی مراد کو حاصل کرنے پر قادر ہو جاتا تو بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ کسی خیر کا صرف جاننا خیر جمع کرنے اور مصیبت سے بچنے کے لئے کافی نہیں ہے جب تک کہ خیر جمع کرنے پر قدرت بھی نہ ہو۔

**الجواب:** اول تو اس خیال کی تردید ابھی حضرت حمزہؓ کی مثال میں واضح کر چکا ہوں کہ وہاں اگر آپ حاضر و ناظر و عالم الغیب تھے تو یہ قدرت بھی تھی کہ کسی صحابی سے اس مخفی دشمن کو قتل کرا دیتے یا خود ہی قتل کر دیتے کیونکہ حضورؐ ماشاء اللہ اشجع الناس بھی تھے۔ اس کے علاوہ علامہ صاحب کا یہ کہنا کہ حضورؐ کو تصرف و قدرت نہیں ہے خود آپ کے اپنے اقرار سابق کے پیش نظر غلط ہے جیسا کہ رسالہ خیر الانبیاء کے ص۲۳ پر آپ نے سیوطی کے رسالہ "تنویر" اذن فی التصرف فی الملکوت العلوی والسفلی لکھا ہے پھر فتوح الغیب کے حوالہ کے ساتھ ساتھ تمام انبیاء کو متصرف لکھا ہے "متصرف" حکومت چلانے کو کہتے ہیں، (منجد ص۲۷) پس چونکہ آپ نے عبارات سابقہ میں حضورؐ کی

فیض رسانی، تربیت اور قدرت کا اقرار کیا ہے اس لئے آپ پر میرے تمام اعتراضات بدستور وارد رہ گئے۔

ناظرین کرام! علامہ نے اس بحث میں غصہ ہو کر مجھ کو بریلی کے پاگل خانہ میں جانے کی ہدایت کی تھی، لیکن افسوس کہ علامہ ہی کو جانا لازم آرہا ہے کیونکہ بریلوی کو بریلی سے ایک ظاہری مناسبت بھی ہے۔ دوم آپ کا کلام معنًا مضطرب و متضاد بیان کی وجہ سے پاگلوں کا اگال ہوگیا علامہ صاحب کو سمجھنا چاہیئے کہ ہم بفضلہ اس برادری کے لوگ ہیں جو مضمون کو ثریا سے اتار لاتے ہیں۔ چہ جائیکہ آپ کے رسالہ کی جانچ پڑتال نہ کرسکیں۔

## قدرت کا اضافہ غلط ہے

ہمارے علامہ نے لکھا ہے کہ قدرت کے اضافہ کرنے کے بغیر آیت کا معنیٰ صحیح نہیں ہوگا اور مقدم و تالی میں لزوم پیدا نہ ہوگا۔

ناظرین کرام! مولانا اس جگہ خواہ مخواہ منطق کی ٹانگ توڑتے ہیں۔ مولانا! قدرت کے ارتکاب کے بغیر آیت میں ملازمہ رہ جاتا ہے سنیئے! مجھے تسلیم ہے کہ علم غیب سے علم غیب مع القدرت مراد لینے پر بھی مقدم اور تالی کا لزوم پیدا ہوسکے گا لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ مقدم (لوکنت اعلم الغیب) اور تالی (لاستکثرت من الخیر) میں لزوم پیدا کرنے اور آیت کے صحیح معنی کی اقامت کے لئے علم غیب مع القدرت ہی مراد لینا پڑے۔ آیت کے معنی درست کرنے کے لئے

نہ تو علم ذاتی کی قید درست ہے نہ علم مع القدرت کا اضافہ ضروری ہے، بلکہ علم غیب کی نفی ہی سے پوری آیت صحیح ہوجاتی ہے، اور باقاعدہ ملازمہ موجود رہتا ہے، پس جب تنہا علم ہی کی نفی آیت کو صحیح کر سکتی ہے اور ملازمہ باقی رہتا ہے۔ تو پھر قدرت کے ایجاد بندہ و بے جا اضافہ کی کیا حاجت؟ کیونکہ میں خازن و مدارک کے حوالہ سے حصہ اول میں نقل کر چکا ہوں کہ یہ آیت کریمہ ان کفار کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔ جنہوں نے حضورؐ سے یہ کہا تھا کہ کیا تمہارا پروردگار گرانی سے پہلے ارزانی کی خبر نہیں دیتا تاکہ آپ ارزانی میں خرید کر گرانی کا نفع اٹھائیں، اس کے جواب میں کہا کہ مجھ کو اگر غیب معلوم ہوتا تو ضرور منافع حاصل کرتا۔ کفار عرب کا حضور سے قدرت کا کچھ سوال ہی نہ تھا کہ آپ قدرت کی نفی کرتے کیونکہ وہ فی الجملہ سمجھتے تھے کہ معمولی طور پر تجارت کرنے کی حضورؐ کو استطاعت حاصل ہے، البتہ کفار کے لئے جو چیز محل نظر بنی ہوئی تھی وہ صرف یہ تھی کہ جب یہ اپنے کو رسول سمجھتے ہیں تو آئندہ پیش آنے والے حالات کا علم بھی رکھتے ہوں گے تو پھر ارزانی میں خرید کر گرانی میں بیچ کر نفع کیوں نہیں اٹھاتے۔ آپ نے ان کے حل طلب معمہ کا جواب دے دیا کہ میں احکام شریعت کے لئے مبلغ و پیغامبر بیشک ہوں۔ مگر عالم الغیب نہیں ہوں اگر عالم الغیب ہوتا اور مجھے امور مخفیہ کا پتہ پہلے سے ہوتا تو نفع و خیر جمع کرلیتا اب صرف ظاہر ہے کہ تصحیح مطلب کے لئے اس میں قدرت کے اضافہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ قدرت زیر بحث ہی نہ تھی تو اس کا

انکار کیا معنی رکھے گا؟

## ایک مثال سے وضاحت

ایک واقف کار مارواڑی اپنے کسی دوست سے کہے کہ تم نے فیض آباد کے ہوائی اڈہ سے مال خرید کر کیوں نہیں نفع اٹھایا؟ وہ جواب دے کہ اگر مجھ کو اس کا علم ہوتا تو ضرور استعمال منافع کرتا۔ یہ طرز کلام بتاتا ہے کہ استطاعت کا کوئی سوال ہی نہیں ہے وہ فی الجملہ مخاطب اور متکلم میں ایک معلوم بات ہے۔ بحث کا بنیادی مدار صرف علم ہے پس اسی طرح آیت شریفہ کا بھی مضمون ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر حق واضح کرے۔

## حضرت عائشہ کے ہار کی گمشدگی۔ (۱۴۳)

میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کو نقل کر کے لکھا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ جان سکے، نہ دیکھ سکے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھوٹ گئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ جان سکے نہ دیکھ سکے، یعنی لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرصہ تک ازخود اصل حقیقت نہ جان سکے۔ اس پر ہمارے علامہ نے لکھا ہے کہ جانتے تھے بتلایا نہیں۔ کیا خوب تماشہ ہے۔ کیوں صاحب! بتلانے کے موقع پر نہ بتلانا کیا علم کی شان ہے؟ اب بقول آپ کے یہ مطلب ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھوٹی جا رہی ہیں، اور جانتے تھے کہ ہار فلاں جگہ گم ہے، اور جانتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پاکدامن ہیں، لیکن جان بوجھ کر نہیں بتلایا۔

سلطان بے ملک سے دریافت کیجئے کہ یہ جواب دے رہے ہیں یا حضورؐ کی شان اقدس کے ساتھ مذاق کر رہے ہیں، ایسا حملہ تو کوئی دہری مزاج والا بھی نہ کرے گا۔ کیوں صاحب! جان بوجھ کر چھپانے میں کیا حکمت تھی؟ آپ فرماتے ہیں تہمت کا مسئلہ اور تیمم کا مسئلہ اس کی حکمت ہے۔ ناظرین ذرا علامہ سے پوچھئے کہ کیوں صاحب! کیا تہمت و تیمم کا مسئلہ حضرت عائشہؓ کے چھوٹنے ہی پر موقوف تھا اگر وہ براہ راست تیمم اور تہمت کے احکام اور مسائل آجاتے تو کیا نہ معلوم ہو سکتا کہ خواہ مخواہ اتنی سی بات کے لئے حضورؐ اپنی بیوی کو جان بوجھ کر اتنے بڑے محل فساد اور نازک پوزیشن میں ڈال دیں۔

اے بریلی مشن کے مولویو! تم خود سوچو کہ کتنی بڑی جسارت سے تم یہ جواب لکھ رہے ہو۔ جس طرح طلاق، لعان، خلع وغیرہ کے سیکڑوں مسائل پیش آئے اسی طرح یہ تہمت کے مسائل و احکام بھی آجاتے۔

**آیت تیمم کا نزول** ہمارے مولانا کے اس علم وفضل کو تو دیکھئے اور ان کی حدیث دانی کو تو ملاحظہ کیجئے کہ تیمم کی بحث واقعہ افک عائشہ میں لے آئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر اسی جگہ ہار بتا دیا جاتا تو آیت تیمم کیسے نازل ہوتی؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ کے نزدیک آیت تیمم افک عائشہؓ میں نازل ہوئی ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ بخاری شریف میں موجود ہے کہ جس غزوہ میں آیت تیمم نازل ہوئی تھی اس میں تو حضرت عائشہ برابر ساتھ ہی تھیں (بخاری ج ۲ ص ۴۶۳) پس آیت تیمم کے

نزول کو واقعہ افک عائشہؓ پر منطبق کرنا مؤلف رسالہ کی حلواد الی جہالت ہے۔ علامہ ابن القیمؒ واقعہ افک عائشہؓ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔ وھذا یدل علی ان قصۃ العقد التی نزل التیمم لاجلھا بعد ھذہ الغزوۃ (زاد المعاد ج اول ص۳۶۳)

اس سے بصراحت معلوم ہوا کہ تیمم کے مسئلہ کا نزول واقعہ افک عائشہؓ میں نہیں ہوا۔ پس ہمارے علامہ کی یہ توجیہ و تعلیل بھی بادر ہوا ثابت ہوئی۔ میں نے سوال کیا تھا کہ حضورؐ تہمت کی نقاب کشائی میں پورے ایک ماہ تک مسلسل پریشان رہے۔ (کما فی زاد المعاد حصہ اوّل ص۲۶۴) اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو فوراً عصمت کا اظہار کر دیتے،، اس پر علامہ لکھتے ہیں کہ پریشانی اور سکوت لاعلمی کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ اس وجہ سے تھی کہ اگر آپ فوراً پاکدامنی کا اعلان کر دیتے تو منافقین کہتے کہ اپنے دہی کو کون کھٹا کہتا ہے علاوہ اس کے تہمت کے مسائل کیسے معلوم ہوتے (ص۳۸) میں کہتا ہوں کہ یہ تعلیل بھی غلط ہے۔ کیونکہ منافقین جس طرح فوری اظہار برأت پر ایسا کہہ سکتے تھے اسی طرح بعد کو بھی کہتے منافقین کا قرآن پر ایمان ہی کب تھا کہ آیت قرآن کے اترنے کے بعد خاموش ہو جاتے، اور جب صورت معاملہ یہی ہے تو آپ کا جان بوجھ کر خاموشی اختیار کرنا دراصل ایک بدنما واقعہ کو بلاوجہ طول اور شہرت پکڑنے کا موقع دینے کے مرادف تھا۔ جو ایک عقلمند آدمی کا کام ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ چہ جائیکہ راس العقلاء سرور انبیاء سے ایسی حرکت کا وقوع ہو سکے۔ تہمت کا مسئلہ معلوم ہونے کی تعلیل بھی نہایت لچر ہے، کیونکہ

واقعہ افک میں فوراً براءت ظاہر ہونے کے لئے تراخی کوئی وجہ وجیہہ نہیں بن سکتا۔ پس تراخی کی یہ تعلیل غلط ہے۔ کیا بتاؤں کتاب کے طول پکڑنے کا خوف ہے ورنہ علامہ کے تمام لغو گوشوں کی لغویت کا آشکارا کرتا۔ علامہ نے بحوالہ بخاری لکھا تھا کہ حضورؐ کو اپنی بیوی کی پاکدامنی کا علم تھا مگر اظہار نہیں فرمایا جیسا کہ ماعلمت علی اھلی الاخیراً سے ظاہر ہے۔

## ماعلمت علی اھلی الاخیرا پر بحث

ماعلمت علی اھلی الاخیرا سے حضورؐ کے علم غیب پر استدلال صحیح نہیں، کیونکہ یہ کلمات آپ نے ابتدا ہی میں نہیں فرمائے تھے بلکہ بہت سے اصحاب کے مشوروں کے بعد ایسا ہی کہا تھا۔ چنانچہ اسامہ بن زیدؓ نے کہا اھلک ومانعلم الاخیرا حضرت علیؓ و بریرہ رضؓ نے بھی صفائی دیا، اور حضرت زینبؓ نے بھی کہا ماعلمت الاخیرا۔ جب آپ تحقیقات کر چکے تب آپ نے ممبر پر عام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا فوا للہ ماعلمت من اھلی الاخیرا پھر اس میں بھی ماعلمت کی قید لگائی یعنی میری ذاتی تحقیق و علم کے مطابق خیر ہی کا پتہ لگا اور مطلقاً قطعی طور پر بصورت جملہ اسمیہ حکم صادر نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے خطاب میں فرمایا۔ اما بعد : یاعائشۃ فانہ قد بلغنی کذا وکذا فان کنت بریئۃ فسیبرئک اللہ وان کنت الممت بذنب فاستغفری اللہ وتوبی الیہ (بخاری)

یعنی اے عائشہ رضؓ مجھے تیرے متعلق ایسی ایسی باتیں پہونچی ہیں، اگر تو بری ہے تو عنقریب تجھ کو اللہ تعالیٰ بری کردے گا، اور اگر خدانخواستہ تو نے اس گناہ کا ارتکاب کرلیا ہے تو توبہ کر اور معافی مانگ۔ حضرت عائشہ رضؓ نے جواب میں حیران پریشان ہوکر جذبہ کے عالم میں فرمایا لقد سمعتم ھٰذا الحدیث حتی استقر فی انفسکم وصدقتم بہ (بخاری) علامہ صاحب! یہاں تو عکس القضیہ ہوگیا کیونکہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ تم کو میری پاک دامنی کا یقین و تصدیق نہیں ہوتی۔ اب دیکھئے آپ کا دعویٰ علم غیب اور براءت پر تصدیق کا دعویٰ کہاں گیا؟

## انک لا تدری ما احدثوا بعدک کا مفاد

(۱۴) میں نے لکھا تھا کہ حوض کوثر پر کچھ لوگ جائیں گے تو فرشتے انک لا تدری ما احدثوا بعدک کہہ کر ان کو واپس کریں گے یعنی فرشتے کہیں گے کہ آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کچھ ایجاد کی تھی چونکہ اس سے حضورؐ کی بے خبری ولاعلمی ظاہر ہوتی ہے اس کے جواب میں علامہ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دن بھی سب کچھ جانتے بوجھتے ہوں گے۔ چنانچہ اس موقع کی حدیث میں ہے کہ مجھ پر کچھ تو میں گذریں گی اعرفھم ویعرفونی جن کو میں بھی پہچانتا ہوں اور وہ بھی پہچانتے ہوں گے۔

صحیح بخاری کتاب الحوض میں پوری حدیث اس طرح ہے۔

الجواب :- لیردن علی اقوام اعرفہم ویعرفوننی ثم یحال بینی وبینکم فاقول انہم منی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول سحقا سحقا لمن غیر بعدی (بخاری ج ۲ ص ۹۷۴)

یعنی کچھ لوگ حوض کوثر پر آویں گے جن کو میں بھی پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے بھی پہچانتے ہوں گے، پھر ان کے اور میرے درمیان پردہ کر دیا جائے گا تو میں عرض کروں گا کہ یہ تو میرے آدمی ہیں، اس کے جواب میں آپ کو بتلایا جائے گا آپ کو خبر نہیں انھوں نے دین میں نئی نئی حرکتیں کی ہیں، تو میں کہوں گا وہ بدبخت دور ہوں، انہوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ آپ کو دکھائی دیں گے جن کو آپ پہچانیں گے لیکن ان کو فرشتے آپ کی طرف آنے سے روک دیں گے۔ حضورؐ فرمائیں گے خدا وندا یہ تو مجھ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ کیونکہ بعض روایات میں اصحابی اصحابی وارد ہے (بخاری کتاب الانبیاء ج ۲ ص ۴۷۳)

تو جواب ملے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کر دی تھیں۔ یہ جواب سن کر آپ بھی سر تسلیم خم کر لیں گے اور فرمائیں گے سحقا سحقا لمن غیر بعدی۔ یعنی ایسے لوگ دور دور رہیں۔ اب اس پوری حدیث کے سامنے آجانے کے بعد یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ اگرچہ آپ ان کو بعض علامات ظاہرہ آثار وضو وغیرہ کی وجہ سے پہچانتے ہوں گے مگر امت کے تفصیلی واندرونی واقعات سے بے خبر ہی ہوں گے کیونکہ

اگر آپ پر ان کے احوال و اعمال عیاں ہوتے تو آپ جواب الجواب میں سحقا کی بجائے ان کی صفائی دیتے پس ہمارا اصل استدلال حدیث کے جس جزو انلک لاتدری ما احدثوا بعدک "سے تھا وہ اب بھی قائم ہے۔

پس جب آپ امت کے حالات و واقعات سے واقف نہ ہوئے تو حاضر وناظر کے دعویٰ کی کما حقہ تردید ہو گئی۔

**روح کی تعریف نہ کرنے پر معارضہ اور جواب**

مولانا نے ایک ضمنی سوال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے روح کا سوال ہوا تو کیا جواب دیا؟ ذرا تشریح تو کیجیئے۔ جناب نہ بتلانے سے نہ جاننا لازم نہیں آتا۔

**الجواب:** علامہ صاحب یہ کتنی غلط بات لکھتے ہیں کہ روح کا جواب اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔ قرآن میں جواب قل الروح من امر ربی موجود ہے۔ روح کی تعریف اس سے زیادہ صحیح ناممکن ہے کسی دوسری چیز کے "امر رب" ہونے کا انکار تو کسی نہ کسی درجہ میں آپ کر بھی سکتے ہیں، مگر روح کا امر رب ہونا تو اتنا واضح ہے کہ بیان کی حاجت نہیں، اس کے سمجھنے کے لئے میرا رسالہ "نشان حق تعالیٰ حصہ دوم ملاحظہ فرمائیے گا، اور کتاب الروح لابن القیم رح دیکھیئے۔ بہرحال آپ کی یہ عجیب عادت ہے کہ جس چیز کو نہیں سمجھ سکتے اس کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ قرآن نے نہیں بتایا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ آپ نے اس تحریر کے آخر میں بھی مجھے اندھی کھوپڑی کا لقب دیا ہے۔ اہلِ انصاف خود فیصلہ کریں گے، میں تو

صرف یہ کہتا ہوں ع

جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

## حضور کا زہر آلود گوشت کھانا

(۱۵) میں نے لکھا تھا کہ جب حضورؐ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو گوشت میں زہر کھلاتے وقت بھی موجود ہوں گے اور زہر ڈالتے ہوئے دیکھا بھی۔ پھر کیوں منہ میں نوالہ ڈالا؟ علامہ صاحب سادہ لوحی سے ایک ضمنی جواب دیتے ہیں کہ پہلے ظاہر نہ فرمایا عین وقت پر ظاہر فرمایا تاکہ میزبان جان جائے کہ زہر کا معلوم کر لینا کسی معمولی انسان کا کام نہیں۔

**الجواب:** علامہ کی تعلیل ایسی ہے کہ اس پر پوری بریلوی محفل لوٹ پوٹ جائے۔ کیوں جی مولانا صاحب! اگر آپ پیالہ سے خود نوالہ توڑتے اور اس دستر خوان پر صحابی بشیر بن معرور کو پیالہ کے زہر سے مرنے سے پہلے اپنے مقام ہی سے اپنے میزبان کو اطلاع دے دیتے کہ تم نے گوشت میں زہر ملا کے پکایا ہے، تو کیا اس اطلاع سے میزبان کو یہ علم نہ ہوتا کہ میرے اس رازدارانہ کام کا گھر بیٹھے جان لینا کسی معمولی انسان کا کام نہیں ہو سکتا جب اس صورت میں بھی میزبان کو یہ اطلاع ہو سکتی تھی تو آپ کی تعلیل باطل ہوئی آخر جب میزبان پہلی اطلاع پر یہ نتیجہ بھی نکال سکتا تھا تو اس میں کیا حکمت تھی کہ خود بھی نوالہ اٹھا کر پریشان ہوں اور ایک صحابی زہر خوری سے فوت بھی ہو جائیں پس اصل چیز یہ تھی کہ آپ

ہمہ زمان ہمہ مکان حاضر وناظر ہر گز نہ تھے۔

## (۱۶) جادو کے اثر سے آپ کی پریشانی

میں نے لکھا تھا کہ لبید نے آپ پر جادو کرایا،

اور آپ مہینوں اس کے اثر سے پریشان رہے، اور آپ کو مہینوں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ جادو کس نے کیا ہے اور اس کے بچاؤ کی تدبیر کیا ہے؟ پس اگر آپ حاضر وناظر ہوتے تو ساحر کے پاس موجود بھی ہوتے اور جادو کرتے ہوئے دیکھ بھی لیتے۔ علامہ صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ کس لفظ سے آپ نے سمجھا کہ مہینوں نہیں معلوم ہوا۔ مولانا صاحب! تفصیل موجب تطویل ہوئی جاتی ہے ورنہ آپ کو اچھی طرح سبق دیا جاتا۔ بس سنئے تفسیر خازن تفسیر معالم وجامع البیان میں سب حضرات یہی کہتے ہیں۔ وقد صح ان یہودیا سحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدی عشرۃ عقدۃ فاشتکی ومرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایاما وقد روی ستۃ اشہر[۱] فجاءہ جبرئیل واخبرہ بالسحر[۲] والساحر وموضعہ[۳] (جامع البیان ص ۵۰۷)۔

خازن اور معالم میں تو ستۃ اشہر کی تشریح موجود ہے (خازن ج ۴ ص ۲۶۸) ان روایات سے معلوم ہوا کہ آپ مہینوں پریشان رہے اگر آپ کو مزید پھر کچھ دریافت کرنا ہو تو کچھ شیرینی بھی بھیجئے گا۔ مگر آپ اپنا حلوا کیسے بھیج سکتے ہیں۔

## (۱۷) جنگ جمل کے سوال کے جواب میں علامہ صاحب خاموش نکل گئے۔

انتباہ :۔ مولوی عتیق اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ میں ایک تقریر کرتا ہوں۔ اس کو ذہن میں رکھنے کے بعد کسی کی شیطنت کارگر نہیں ہوگی۔ وھوھذا۔ ایک ہے جہل، ایک نسیان ایک ذہول۔ جہل نہ جاننا، نسیان حافظہ سے نکل جانا۔ ذہول یہ ہے کہ کوئی چیز حافظہ میں رہے مگر ادھر توجہ نہ رہے مثلاً ایک شخص نے قرآن نہ پڑھا دوسرے نے پڑھ کر بھلا دیا تیسرا حافظ کامل ہے مگر کسی وقت اس سے کوئی آیت پوچھی گئی نہ بتا سکا۔ توجہ نہ رہی۔ پہلا تو قرآن سے جاہل ہے۔ دوسرا ناسی تیسرا ذہول۔

## ذہول ونسیان کے فرق سے علامہ کی بے خبری

پہلے علامہ صاحب کی اس تفریق کی خبر لیتا ہوں۔ مولانا! آپ سمجھتے تھے کہ آپ کا پرچہ صرف مرید ہی دیکھیں گے اور اسے بات پرکھنے والے نہ دیکھیں گے۔ اجی علامہ صاحب! ایک آپ تقریر بھی کرنے بیٹھے تو آپ نے ذہول ونسیان کا فرق ایسا لکھا جس سے تمام علمائے فلسفہ کو انکار ہے۔ کیوں جی! فلسفہ کی ابتدائی کتاب "ہدیہ سعدیہ" کبھی نظر مبارک سے نہیں گذری معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف جبہ وعمامہ کے مولانا ہیں۔ سنئے ہدیہ سعدیہ میں مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی حنفی الفرق بین الذھول والنسیان کی بحث میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی چیز قوت مدرکہ اور خزانہ دونوں سے زائل ہوجائے تو نسیان ہے اور اگر صرف مدرکہ سے زائل ہوجائے اور خزانہ میں موجود ہو یہاں تک کہ ادنیٰ توجہ سے مدرکہ میں حاضر کرلے تو یہ ذہول ہے (ہدیہ سعدیہ صـ۱۹۸) صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذہول میں ادنیٰ

توجہ سے ادراک ہو سکتا ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ ادھر توجہ ہی نہیں رہتی ادراک کیسا؟ پھر کہتے ہیں لایقال ان الفرق بین الذھول والنسیان ھو ان الصورۃ فی صورۃ الذھول تکون مخزونۃ فی الحس المشترک غیر ملتفت الیھا۔ یعنی ذہول اور نسیان کے فرق میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی چیز ذہول کی صورت میں حافظہ وخزانہ حس میں تو ہوتی ہے مگر ادھر توجہ نہیں ہوتی۔ پھر مولانا پر تعجب بالائے تعجب ہے کہ آپ نے معانی ومعقولات کے ذہول ونسیان کے فرق میں محسوسات والے ذہول ونسیان کے فرق کو کیسے چسپاں کر دیا۔ دونوں کو یکساں سمجھنا غلط، چسپاں کرنا غلط، اور جو کچھ فرق کیا گیا ہے وہ بھی غلط، اجی ملّا صاحب! محسوسات ومعقولات کے ذہول ونسیان کی تعریف الگ الگ ہے۔ محسوسات کے نسیان میں کسب جدید کی ضرورت ہوتی ہے، اور محسوسات کے ذہول میں اس کی حاجت نہیں ہوتی، بلکہ محض اس کے ادراک کے لئے ادنیٰ سی توجہ بھی کافی ہوتا ہے، کیونکہ کوئی چیز محسوسات کے ذہول میں مدرکہ سے نکل جاتی ہے مگر خزانہ میں موجود رہتی ہے اس لئے ادنیٰ توجہ سے ادراک کر کے بتا سکتا ہے (ہدیہ سعدیہ ص۲۰۱)

اب اس روشنی میں وہ شخص حافظ ذاہل ہے کہ جس سے کوئی آیت پوچھی گئی اور مغانہ بتلا سکا بلکہ توجہ کے بعد بھی نہ بتلا سکا۔ پس علامہ صاحب نے ناسی کی تعریف کو ذاہل پر مرتب کیا اور معقولات کے ذہول ونسیان کے فرق کو محسوسات جیسا سمجھا۔ غرض آپ کی ساری تقریر وتفریق غلط بر غلط ہے۔

یہی وہ بنیاد ہے جس پر آپ آگے یہ تقریر (تحریر) کرتے ہیں۔ "پس اگر حضور علیہ السلام کسی وقت کوئی بات نہ بتائیں تو اس کی وجہ ذہول (ادھر توجہ کا نہ ہونا) ہے"، پھر فرماتے ہیں۔ اس تقریر کو سامنے رکھئے تو اس قسم کے جملہ شبہات جو وہابیہ کرتے ہیں، سب دفع ہو جائیں گے۔ علامہ صاحب صرف سامنے رکھنے کو نہ کہئے۔ بلکہ مریدوں سے چندہ لے کر اسے لکھنؤ کے ریڈیو اسٹیشن سے نشر کرا دیجئے تاکہ پوری دنیا اور کم از کم بریلوی دنیا آپ کی تحقیقات عجیبہ تو سن لے۔

مولانا! پڑھے لکھے لوگ تو ماتم کریں گے لیکن تلسی پور والے تو حلوا حاضری کر دیں گے کہ مولانا ریڈیو پر بول کر آ رہے ہیں۔ فقیر عبدالحمید بنارسی کی تقریظ بھی خوب رہی وہ نہ خود سمجھ سکے اور نہ اپنے مولانا کو کچھ متنبہ کر سکے۔

ناظرین کرام! آپ نے دیکھا علامہ صاحب حضورؐ کو "ذاہل" قرار دیتے ہیں اور ذہول کا یہ مطلب گردانتے ہیں کہ کسی بات کا نہ بتانا ادھر توجہ نہ ہونے کے سبب تھا۔ اور ہم ابھی اس کی تردید کر چکے ہیں کہ ذہول اسے نہیں کہتے کہ نہ بتا سکے اور نہ توجہ کر سکے۔ اس فیصلہ کی روشنی میں حضورؐ کا ہفتوں اور مہینوں تک نہ بتا سکنے کی وجہ ذہول نہیں ہو سکتی، بلکہ صرف ایک وجہ ہے اور وہ علم غیب کا نہ ہونا، اور آپ کا حاضر و ناظر نہ رہنا ہے، جیسا کہ آپ نے اصحاب کہف وغیرہ کے جواب میں پندرہ روز تک کوئی جواب نہیں دیا۔ (معالم التنزیل) اور مہینوں سحر ساحر و مقام سحر کا پتہ نہ چلا (خازن وغیرہ)

آپ واقعہ افک عائشہ رضؓ میں ایک ماہ تک اصلیت سے بے خبر نہ پریشان رہے (زاد المعاد ج ۱ ص ۳۶۴)

بہرحال الحمد اللہ ہم حضورؐ کو ذاہل نہیں بناتے، بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ حضورؐ کو جہاں اکثر جزئیات باعلام اللہ معلوم تھے وہاں بہت سے نہیں بھی معلوم تھیں، اس لئے حضورؐ عالم الغیب نہیں ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کو تمام غیب معلوم ہے اس لئے وہ عالم الغیب ہے (بشکل موجبہ کلیہ)۔ بہرحال کسی امر غیر ثابت کی نفی کرنا تنقیص شان نبوت نہیں ہے، ورنہ اگر کوئی حضورؐ کو خدا نہ کہے تو بڑا کافر وہی ہوگا کیونکہ ایسے وصف کامل کی نفی کرتا ہے جو تمام صفات کا جامع ہے۔

## حضور کا چیدہ صحابہ کو دشمنوں کے حوالے کرنا

(۱۸) میں نے جوابات حاضر و ناظر میں لکھا تھا کہ اگر حضورؐ حاضر تھے تو آپ نے چیدہ صحابہ کرام کو کیوں جان بوجھ کر دشمنوں کے سپرد کر دیا؟ کیونکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ماننے کے اصول پر لازم آتا ہے کہ آپ اس سازش کی محفل میں جو صحابہ کرام کی جمعیت کے تہ تیغ کرنے کے لئے منصوبے کر رہی تھی حاضر ہوں۔ بس معلوم ہوا کہ حضورؐ حاضر و ناظر نہ تھے ورنہ ایسے مغالطے میں مبتلا نہ ہوتے۔ علامہ نے اسے مریدوں کے حلوا کی طرح سے ہضم کر لیا اور اس کا ان سے کوئی جواب نہ ہو سکا۔

## ⑲ علم ذاتی وعطائی پر ایک مسکت بحث

میں نے لکھا تھا کہ حضور حاضر وناظر یا عالم الغیب ہونے تو مسلمان لڑکیوں کو اس شعر کے پڑھنے سے منع نہ فرماتے ـــ وفینا نبی یعلم ما فی غدٍ کہ ہم میں ایک نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔ آپ نے اس انکار کی وجہ یں لکھا ہے کہ حضور نے اپنے ذکر کو دف باجہ اور مرثیہ پڑھنے کے دوران میں ناپسند فرمایا تھا اس لئے ناپسند نہ فرمایا تھا کہ علم غیب ذاتی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

**الجواب:-** آپ کا یہ کہنا اس بات کا مستلزم ہے کہ وہ بچیاں عالم الغیب بالذات و بالعطا کے فرق کو سمجھتی تھیں، اور بالذات کی قائل تھیں، کیا اس کا مطلب کسی شرح حدیث سے لکھ سکتے ہیں کہ بچیاں بالذات کی معتقد تھیں؟ یا یوں ہی ہر جگہ خواہ مخواہ ذاتی غیر ذاتی کا فرق لگایا کرتے ہیں آپ کی طرح ایک ہٹ دھرم کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللّٰہ سے حضورؐ کو الٰہ اور معبود بالعطا بھی کہہ سکتا ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ میں صرف ذاتی الوہیت کی نفی ہے نہ کہ عطائی کی۔ پس حضور معبود بالذات نہیں ہیں بلکہ وہ بھی اللّٰہ کے مرتبہ دینے سے عبادت کے قابل ہوئے۔ پس آپ معبود بالعطا ہوئے۔ فرمایئے آپ اس کا منہ کس طرح بند کریں گے۔

## ملّا علی قاری اور حافظ ابن حجر کی ایک لطیف توجیہ

یہ بھی غور کیجئے کہ علامہ قاری نے لڑکیوں کو اس قول سے روکنے کی علّت بیان کی ہے لانہ

لا یعلم الغیب الا اللہ ابن ماجہ میں اس سے بھی صاف ہے ،
آپ نے سن کر فرمایا اما ھٰذا فلا تقولین لانہ لا یعلم
ما فی غد الا اللہ (ابن ماجہ صفحہ ۱۳۸) پس علامہ قاری کی توضیح و تعلیل
اول متعین رہی اور شق ثانی معدوم و باطل ہو گئی ۔
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کو لکھتے ہیں وانما انکر
علیہا ما ذکر من الاطراء حیث اطلق علم الغیب لہ وھو
صفۃ تختص باللہ تعالیٰ (فتح الباری)
یعنی آپ نے انکار اس لئے کیا کہ انھوں نے علم غیب کا اطلاق
آپ پر کیا، حالانکہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے ، بہر حال شق
اول متعین رہ کر یہ بات ثابت رہی ۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ایک
حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ومن حدثک انہ یعلم
ما فی غد فقد کذب (بخاری تفسیر سورۃ النجم صفحہ ۲۷)
اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپ کی ممانعت کی وجہ صرف علم
غد کا اطلاق تھا، آپ نے اس سلسلے میں ایک بات بڑے مزے کی لکھی
ہے ، کہ وہ شعر لڑکیوں کا اپنا بنایا نہ ہوگا لا محالہ کسی صحابی نے بنایا ہوگا تو
صحابی مشرک ہوئے ؟ اجی مولانا صاحب ! مجھے بڑا تعجب ہے آپ کو
ہوگا یا نہ ہوگا کس دلیل سے سمجھتے ہیں ۔ عرب کی زبان کی یہ خصوصیت
ہے کہ وہاں نوعمر لڑکیاں تک فصاحت و بلاغت سے بے تکلف جملے بولتی
تھیں ، اور شعر و شاعری تو گویا ان کی فطرت تھی ۔ آپ اس سلسلے میں

استیعاب اور بیہقی وغیرہ دیکھئے ۔ آپ نے صحابی کے مشرک ہونے کا سوال ہی غلط پیدا کیا، علاوہ ازیں اگر کسی صحابی ہی نے کہا تو حضورؐ کو بر محل اصلاح کر دینے سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ آپ کے لئے علم غیب کا اطلاق جائز نہیں ہے جس طرح ایک صحابی نے ماشاء اللہ اور ماشئت کہدیا تھا اور آپ نے فوراً اس کی تردید کر دی اور اصلاح فرمائی تھی (ابوداؤد)

## بروز قیامت انبیاء کا لاعلم لنا کہنا

(۲۰) میں نے لکھا تھا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کر کے ان سے پوچھے گا کہ تم کو تمہاری امت نے کیا جواب دیا قالوا لاعلم لنا انک انت علام الغیوب وہ سب کہیں گے الٰہی ہمیں اس کا کوئی علم نہیں عیوب و بواطن کا عالم تو صرف تو ہی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ حاضر و ناظر نہیں ہیں ورنہ لاعلم لنا نہ فرماتے ، مولانا نے اس کے جواب میں اندھی عقل وغیرہ کا خطاب دے کر تفسیر خازن کے حوالہ سے یہ لکھا ہے ۔ انما نفوا العلم عن انفسہم وان کانوا علماء لان علمہم صار کلاعلم عند علم اللہ تعالیٰ ۔ یعنی رسولوں نے اپنی ذات سے علم کی نفی کی اگرچہ وہ عالم تھے کیوں کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے سامنے مثل نہ ہونے کے ہو گیا۔

## تفسیر خازن کی عبارت میں مجرمانہ خیانت

ناظرین کرام! مولانا نے یہاں خازن کی نقل عبارت میں سخت خیانت کی ہے کیونکہ خازن کی یہ عبارت یوں شروع ہوتی ہے۔ فعلی ھذا القول انما نفوا العلم عن انفسھم الخ یعنی وہ فرماتے ہیں کہ اس قول کے مطابق نفی علم اس معنی میں ہے۔ اب جب تک اس قول متقدم کو نہ معلوم کر لیا جائے۔ صحیح مطلب متعین نہیں ہو سکتا، اور چونکہ مولانا کے لئے اس قول متقدم کا اشارہ بھی مضر تھا اس لئے مولانا نے فعلی ھذا القول کی عبارت کو بھی ہضم کر لیا اور مستقل قول اور جو حضرت عبداللہ بن عباس رض کی تفسیر تھی اس کو بھی ہضم کر لیا۔ پس سنئے علامہ خازن اس طرح لکھتے ہیں قال ابن عباس رض معناہ لا علم لنا کعلمک فیھم لانک تعلم ما اضمروا وما اظھروا ونحن لا نعلم الا ما اظھروا فعلمک انفذ من علمنا وابلغ فعلی ھذا القول انما نفوا العلم عن انفسھم (خازن مصری ج ۱ صـ ۵۰۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رض سرتاج مفسرین فرماتے ہیں کہ انبیاء علیھم السلام کا جواب میں لا علم لنا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خداوندا ہم کو اس کے متعلق آپ کا سا علم نہیں، کیونکہ آپ تو اس کو بھی جانتے ہیں جو انھوں نے زبانوں سے ظاہر کیا اور اس کو بھی جو دل میں پوشیدہ رکھا اور ہم کو صرف ان کے ظاہری حال کا علم ہے پس ان کے بارے میں آپ کا علم ہمارے علم سے زیادہ نافذ اور کامل ہے۔

## انبیاء اور رسول اکرم کا امت کے اعمال باطن سے واقف نہ ہونا

ناظرین کرام! دیکھئے اس میں انبیاء کا صاف اقرار موجود ہے کہ ہم کو بواطن اور لوگوں کے اندرونی احوال کا علم نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کو ظاہر و بواطن سب معلوم ہے، اس کے بعد علامہ خازن فرماتے ہیں۔ اس قول کے مطابق جب وہ ظواہر کے کم از کم عالم ہوئے تو لا علم لنا کی نفی کا مطلب کیا ہے؟ تو اس کی توجیہہ یں کہتے ہیں کہ ان کا علم ظاہر اللہ تعالیٰ کے علم ظواہر و بواطن کے سامنے مثل عدم علم کے ہے، اس لئے لا علم لنا کہنا صحیح رہا (مدارک ج ا صـ۵۰۴) علامہ نسفی حنفیؒ نے بھی لکھا ہے۔ لا علم لنا ای باخلاص قومنا دلیلہ انک انت علام الغیوب یعنی انبیاء حق تعالیٰ کے سوال کے جواب میں فرمائیں گے کہ خداوندا ہم کو اپنی قوموں اور اپنی امتیوں کے ایمان و اخلاص کا پورا حال معلوم نہیں، کیونکہ ان میں بعض ایسے بدنصیب تھے کہ جن کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ، اور ہم کو صرف ان کے ظاہری حال کا علم ہو سکا، کیونکہ غیوب اور بواطن کا جاننے والا تو صرف تو ہی ہے۔ اسی طرح علامہ خازن نے بھی انک انت علام الغیوب کی تفسیر میں بھی یہ لکھا ہے انک تعلم من بواطن الامور ونحن نعلم ما نشاھد ولا نعلم ما فی البواطن

(خازن ج ا صـ۵۰۴)

یعنی اے اللہ تعالیٰ تو تمام معاملات کے عیوب کو جانتا ہے، اور ہم صرف ظواہر کو جانتے ہیں اور بواطن نہیں جانتے۔ علامہ حسین بن صفی رح نے انلک انت علام الغیوب کی تفسیر میں لکھا ہے فتعلم ما نعلم وما لا نعلم (جامع البیان ۱۱۰) یعنی جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ بھی تو جانتا ہے اور جو نہیں جانتے وہ بھی تو جانتا ہے۔

ناظرین کرام! اس پوری عبارت اور مطلب کو سامنے رکھنے سے یہ مسئلہ واضح ہو گیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے اعمال واحوال باطنی سے واقف نہیں تھے۔ اب آپ پر مولانا کی ایمانداری بھی واضح ہو گئی ہو گی اور آپ کو ایک بار پھر یہ معلوم ہو سکا ہو گا کہ یہ حضرات نقل روایات وتفاسیر میں کس طرح کی حرکتیں کرتے ہیں، اور الٹے دوسروں کو ڈانٹا کرتے ہیں، چنانچہ اس مبحث میں بھی مجھ کو لکھا ہے۔ مؤلف کی اندھی عقل تفسیر بالرائے کر رہی ہے وغیرہ ص۱۴۲) مولانا نے تفسیر مدارک کے حوالہ سے لکھا ہے۔ قالوا ذالک تادبا ای علمنا ساقط مع علمک فکانہ لا علم لنا۔ یعنی انھوں نے ادباً نفی علم کی۔ یعنی ہمارا علم تیرے علم کے سامنے ساقط ہے۔ پس گویا کہ ہم کو علم نہیں ہے یہ لکھ کر مولانا اپنی برادری کو راضی کرنے کے لئے بالکل سفید جھوٹ لکھتے ہیں کہ اسی طرح اور تفسیروں میں اس آیت کے یہی معنی لکھے ہیں ص۱۴۲۔

## ایک غلط بیانی

ناظرین کرام! تفسیر مدارک، تفسیر خازن تفسیر معالم التنزیل، جامع البیان، تفسیر ابن کثیر تفسیر ابن جریر وغیرہ میں اس آیت کے متعدد توجیہات و معانی لکھے ہوئے ہیں۔ پس مولانا کا یہ فرمانا کہ اس آیت کے یہی معنی لکھے ہیں دو وجہ سے غلط ہے، اوّل اس وجہ سے کہ بعض تفاسیر میں مفسر نے اس توجیہ کو اختیار ہی نہیں کیا ہے، جیسے جامع البیان اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ — دوم جن بعض تفاسیر میں یہ توجیہ ہے ان میں اور بھی توجیہات ہیں، پس یہ کہنا کہ آیت کے یہی معنی لکھے ہیں سخت بے خبری اور لاعلمی پر مبنی ہے، علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ جن مفسرین نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ سب سے اخیر میں بعض احتمال کے طور پر ذکر کیا ہے، چنانچہ امام رازی نے بھی اس کو سب سے آخر میں لکھا ہے اور علامہ خازن نے بھی انھیں کی روش پر دوسرے تمام احتمال کے بعد سب سے آخر میں ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو خازن ج ۱ ص ۵۰۶) اور اسی طرح علامہ نسفی حنفی نے سب سے آخر میں اسی قول کو رکھا ہے (مدارک ج ۱ ص ۵۰۶) حیرت ہے کہ علامہ نے جن دو تفسیروں خازن و مدارک کے حوالہ سے یہ معنی لکھا ہے اس میں اور معانی موجود ہیں، پھر بھی علامہ لکھتے ہیں کہ اس آیت کے یہی معنی تفسیروں میں لکھے ہیں۔ پھر اس سے دعویٰ علم غیب کیسے ثابت ہو گیا کیونکہ اس توجیہ کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو اپنے امتیوں کے احوال کا تو پورا پورا علم تھا مگر انھوں نے از راہ ادب یہ جواب دے دیا کہ ہم نہیں جانتے کیونکہ بمقتضائے ادب تو صرف آخری جزء انک انت علام الغیوب کا جواب

ہونا چاہیئے یعنی اے اللہ تو تمام غیوب کا جاننے والا ہے، اور جو کچھ ہماری امت نے جواب دیا ہے وہ بھی تو جانتا ہے، پس تجھ پر مخفی کیا ہے جو ہم عرض کریں۔ پس اس توجیہ ادب کا واقعی مطلب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام کو احوال امم کا پورا تفصیلی علم ظواہر و بواطن کا تو تھا نہیں اس لئے انھوں نے از راہ ادب یہی جواب دینا مناسب سمجھا کہ خدایا ہمیں پوری طرح علم نہیں اور ظاہر و باطن کا پورا علم تو صرف تجھی کو ہے۔ پس علامہ کا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح تفسیر کا نہ قبول کرنا اور اس سے انحراف کرنا اور اس میں خیانت کا سلوک کرنا محض سخن پروری ہے۔

## وعندہ مفاتح الغیب کا معنی

(۲۱) میں نے ایک آیت کریمہ لکھی تھی۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو کہ غیب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضورؐ علم غیب سے واقف نہیں اس لئے حاضر ناظر بھی نہ ہوئے کیونکہ "غیب" حضور علمی ہی کا نام ہے۔ اس پر ہمارے علامہ نے روح البیان کے حوالہ سے ایک عربی عبارت لکھ کر ترجمہ کیا ہے کہ غیب سے مراد پیدا کرنے کا علم ہے۔ (جبر الانبیاء صد ۴۲)

اور تفسیر خازن کے حوالہ سے لکھا ہے کہ غیب سے مراد ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ ہے صد ۴۲) مطلب آپ کا یہ ہے کہ غیب کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں یعنی پیدا کرنا وہی جانتا ہے، یا ہر چیز پر وہی قدرت رکھتا ہے، پس اس میں

حضورؐ سے علم غیب کی نفی نہ ہوئی۔

**الجواب** تفسیر روح البیان تک تو ہماری رسائی نہیں، اور نہ باب تفسیر میں یہ کوئی مستند تفسیر ہے۔ یہ تفسیر ہر لغوی و لسانی سند سے آزاد ہے، اور محض لطیفہ نگاری ہے۔ تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ مفاتح سے مراد وہ کنجیاں ہیں جس سے کھولنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اب غیب کے ساتھ کنجیوں کا بطور استعارہ استعمال کرنے سے بتانا یہ ہے کہ جس طرح خزانہ کا کنجی بردار ہی کنجیوں سے کھولنے اور خزانہ تک پہونچنے کا امکان رکھتا ہے دوسرا نہیں، اسی طرح غیب تک جو بمنزلہ خزانہ ہے، اللہ تعالیٰ ہی اپنی مخصوص کنجیوں کے ذریعہ پہونچ سکتا ہے دوسرا نہیں، کیونکہ کنجیاں ہی دوسرے کے پاس نہیں (تفسیر خازن مع مدارک ج۲ ص۱۷) اس مطلب کو نقل کرنے کے بعد وجہ تمثیل کر کے لکھتے ہیں کہ اس کا بھی احتمال ہے کہ مراد یہ خزائن ہوں، جس سے معنی یہ ہوں گے کہ اسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں اور اس سے مراد قدرت کاملہ ہے۔ اسی طرح علامہ خازن نے اور بھی پانچ معنی نقل کئے ہیں (خازن ج۲ ص۱۷)

## مفاتح الغیب کی صحیح تفسیر زبان نبوت سے

اب مفاتح الغیب کی صحیح اور راجح تفسیر وہ ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مفاتح الغیب خمس لایعلمہا الا اللہ۔ لا یعلم ما فی غد الا اللہ ولا یعلم ما تغیض الارحام الا اللہ و لایعلم متی یاتی المطر احد الا اللہ ولا تدری نفس

بأی ارض تموت الا اللّٰہ ولا یعلم متی تقوم الساعۃ الا اللّٰہ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الرعد ص۶۸۱)

علامہ خازن رح نے اس تفسیر کو تمام دیگر مطالب پر مقدم رکھا ہے اور اسی حدیث کو سنداً پیش کیا ہے۔ پس ایسی صحیح اور راجح تفسیر سے ہمارے علامہ عدول کرتے ہیں آخر یہ کیوں؟ مولانا! ایمان داری سے بتلائیے ایک عمدہ اور مستند اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے تشریح مل جانے کے بعد دوسروں کے اقوال واحتمالات کی طرف آپ کیوں جاتے ہیں؟ یہ طرز عمل محبت، ایمان اور الفت رسول کے خلاف ہے۔ مولانا کی بے علمی و دیانتی کیفیت ہے کہ محض مطلب سازی کے لئے جو چاہا لکھ دیا یا تو خازن کو دیکھا ہی نہیں یا جان بوجھ کر حدیث رسول کو عمداً چھوڑ دیا۔ پھر مولانا کا یہ لکھنا بھی غلط ہے کہ مفسرین نے آیت مفاتح الغیب کے دو معنی لکھے ہیں (خیر الانبیاء ص۴۲) کیونکہ صرف خازن و معالم و مدارک میں چھ معانی منقول ہیں، باوجود ان تمام تفسیری غلطیوں اور غلط بیانیوں کے مولانا الٹے مجھ کو لکھتے ہیں۔ یہ وہابی جہالت سے آیت قرآن کا ترجمہ اپنے جی سے کرتا ہے (ص۴۲) منصف مزاج ناظرین پر یہ امر واضح ہو گیا ہوگا کہ حلوا خور مجرم کون ہے؟ بہر حال آیت شریفہ اپنے مطلب میں صاف ہے کہ اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، پس حسب روایت بخاری شریف مفاتح الغیب (علوم خمسہ) میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے یعنی کل کیا ہوگا اس کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے، اور پیٹ دانیوں میں کیا ہے اس کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے، بارش کب ہوگی،

اس کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے۔ کس سرزمین میں مرے گا کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے قیامت کب ہوگی؟ کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے۔

## امام ابوحنیفہؒ کا مذہب

اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا بھی مذہب ہے۔ علامہ نسفی حنفیؒ تفسیر سورۂ لقمان میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ خلیفہ منصور عباسی نے ملک الموت کو خواب میں دیکھا تو اپنی مدت عمر کے متعلق سوال کیا۔ پس ملک الموت نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا پس تعبیر دینے والوں نے اس کی مختلف تعبیریں دیں کسی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری عمر پانچ برس کی۔ کسی نے کہا پانچ مہینہ کسی نے کہا پانچ دن، فقال ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ هو اشارۃ الی هذہ الآیۃ فان هذہ العلوم الخمس لایعلمها الا اللہ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا درحقیقت اس جواب میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے، جس میں علوم خمسہ کا ذکر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مدت عمر کا سوال ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے۔ (مدارک ج ۳ مصری ص۳۴)

واقعہ ھذا سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ امور خمسہ کا علم سوائے خدا کے کسی کو حاصل نہیں۔ فللہ الحمد۔

## قیام کی ممانعت اور حدیث قیام پر بحث

(۲۳) میں نے لکھا کہ حضورؐ نے اپنی زندگی میں صحابہ کو اپنی آمد پر قیام سے منع فرمادیا تھا۔ حضرت ابوامامہ سے یہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مجمع میں تشریف لائے تو

ہم لوگ دیکھ کر کھڑے ہو گئے، آپ ناراض ہوئے اور فرمایا، مجھے دیکھ کر مت کھڑے ہو جایا کرو جیساکہ عجمی کھڑے ہو جاتے ہیں، اس پر ہمارے مولانا نے سنداً کلام کیا ہے۔ فرماتے ہیں طبرانی نے اس حدیث کو ضعیف و مضطرب السند کہا ہے۔ مولانا! آپ اس کو امام طبرانی کی روایت ثابت کر دیں تو آپ کو سلطان المناظرین تسلیم کر کے سیٹھ رجب علی سے پچاس روپیہ انعام دلانے کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ حضرت علامہ آپ کہاں کی رٹی ہوئی عبارت لکھ رہے ہیں۔ یہ قول حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری پ۲۵ میں اور علامہ شمس الحق ڈیانوی عون المعبود ج۴ میں تو امام جریر طبری کا بتاتے ہیں اور آپ امام طبرانی کا لکھ رہے ہیں۔ پھر آپ نے رجال ابن ماجہ پر "منذری کا جو کلام تھا اس کو اپنے خود ساختہ امام طبرانی کے ساتھ لاحق کر دیا ہے، آپ کی لاعلمی قدم قدم پر نمایاں ہے۔

## مجہول وفیہ لین وغیرہ سے متعلق ایک نفیس تحقیق

آپ نے ابوامامہ کی حدیث کو ساقط الاعتبار ٹھہرانے کے لئے منذری سے کلام اسناد پر نقل فرمایا ہے۔

چنانچہ لکھتے ہیں۔ ابو العدبس کوفی مجہول من السادسۃ ابو مرزوق فیہ لین من السادسۃ وابو غالب صدوق یخطی اب ہر ایک کا جواب سنئے ابو العدبس کو آپ نے مجہول بحوالہ تقریب تو لکھا مگر یہ نہ سمجھے کہ مجہول مراتب جرح سے کونسی جرح ہے آیا ایسا راوی منکر الحدیث ہے؟ حافظ ابن حجرؒ نے تو اپنے مجہول کہنے کا مطلب خود ہی بیان کر دیا

ہے فرماتے ہیں۔ التاسعة من لم یرو عنه غیر واحد ولم یوثق والیه الاشارة بلفظ مجهول (تقریب التہذیب ص۳)
یعنی مجہول وہ راوی ہے کہ جس سے ایک ہی شخص روایت کرے، اور اس کی اور طرح سے توثیق نہ ہوئی ہو۔ حافظ ابن الصلاح مجہول کی تعریف میں اسی طرح لکھتے ہیں المجهول کل من لم یعرف حدیثه الا من جهة راو واحد (مقدمہ ابن الصلاح ص۵) مجہول وہ شخص ہے جس سے راوی صرف ایک روایت کرے جیسے سعید بن ذی جدان مجہول ہیں کہ ان سے صرف ابو اسحاق سبیعی نے روایت کی ہے۔
ہمارے علامہ صاحب کا ذرا فضل و کمال دیکھئے، تقریب کی عبارت مجہول کا ترجمہ مجہول الحال کر ڈالا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ مجہول سے مراد مجہول العدالۃ یا مجہول العین ہے (دیکھو مقدمہ ابن صلاح) علامہ صاحب گوش ہوش سے سنیں کہ کسی ایسے راوی سے روایت کرنا کہ جس سے صرف ایک راوی نے روایت کی ہو کوئی قدح اور عیب کی بات نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ امر باعث قدح ہو تو بخاری و مسلم میں بھی قدح و نقص لازم آئے گا جن کی صحت پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں۔ قلت قد خرج البخاری فی صحیحه حدیث جماعة لیس لهم غیر راو واحد الخ یعنی امام بخاریؒ نے ایسے کئی آدمیوں کی روایت کو اپنی صحیح بخاری میں درج کیا ہے کہ جن سے روایت کرنے والے صرف ایک آدمی تھے، جیسے مرداس اسلمی سے صرف قیس نے روایت کی ہے یا ربیعہ سے

صرف ابوسلمہ نے روایت کی ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ راوی سے مجہول عین مردود الروایت نہیں ہے۔ (مقدمہ ابن الصلاح النوع الثالث والعشرون ص۱۱۵) پس مولانا! ابوالعدیس کے مجہول ہونے سے روایت ساقط الاعتبار نہیں ہو سکتی۔ پھر آپ ابو مرزوق پر لین کی جرح نقل کر کے خوش ہو رہے ہیں۔ پس سنئے! حافظ ابن حجرؒ لین الحدیث کی جرح کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب راوی میں کوئی ایسی چیز ثابت نہیں ہوتی جو ترک حدیث کا موجب ہو تو ہم "لین الحدیث" کہتے ہیں۔ (تقریب ص۳) یہی حافظ ابن حجر لسان المیزان میں لکھتے ہیں کہ لین سب سے ہلکے قسم کا جرح ہے۔ علی جواز ان یحتج بہ مع لین فیہ (لسان ج ا ص۳) یعنی راوی میں کچھ نرمی ہونے کے باوجود اس حدیث سے استدلال جائز ہے، اسی طرح حافظ سخاوی کے قرار دادہ جرح کے مراتب ستہ کو بیان کرتے ہوئے علامہ عبدالحئی لکھنویؒ ظفرالامانی فی مختصر الجرجانی میں لکھتے ہیں۔ والسادسۃ وھی اسھلھا قولھم فیہ مقال او لین یعنی فیہ مقال اور لین عبارات جرح میں سب سے معمولی ترین جرح ہے پھر حافظ سخاوی کا فیصلہ نقل کیا ہے کہ لین الحدیث راویوں کی روایات اعتبار و اعتضاد کے طور پر ذکر کی جائیں گی (ظفرالامانی ص۳۴)

اس طرح حافظ ابن الصلاح اپنے مقدمہ میں راوی لین الحدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔ فھو ممن یکتب حدیثہ وینظر فیہ اعتبارًا (مقدمہ ابن الصلاح ص۵۶) یعنی اس راوی کی حدیث

اعتبار و تائید کے لئے پیش کیا جاسکتا ہے امام دار قطنی نے فرمایا لا یکون ساقطا متروك الحدیث ولکن مجروحا بشیئ لا یسقطہ عن العدالۃ۔ (مقدمہ لسان ج ۱ اول ص ۱۴)

یعنی لین الحدیث راوی ساقط الاعتبار و متروک الحدیث نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی معمولی جرح ہے جو راوی کو مرتبۂ عدالت سے گرا نہیں سکتی۔ ان ائمہ کی تحقیقات سے پتہ چلا کہ راوی لین الحدیث کی روایت استدلال میں بر موقع تائید پیش کی جاسکتی ہے۔

## صدوق یخطی کی روایت

آپ نے ابو غالب کے متعلق لکھا ہے صدوق یخطی جس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سچے اور ثقہ ہیں کبھی غلطی کر جاتے ہیں۔ ہمارے سلطان المناظرین ترجمہ کرتے ہیں اگرچہ سچے ہیں مگر بیان حدیث میں بہت خطا کرتے ہیں۔

ناظرین! پوچھئے اگر، مگر کس کا ترجمہ ہے۔ صدوق خبر ہے مبتدا محذوف کی، اور جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت اور دوام صدوق پر دلالت کرتا ہے، اور بوجہ وزن مبالغہ کثرت صدق پر بھی دلالت صریحہ کرتا ہے۔ یخطی مضارع کا صیغہ ہے جو تجدد و حدوث پر دلالت کرتا ہے، آپ اگر اپنے ترجمہ کی صحت بہ دستخط مولانا نعیم الدین مراد آبادی ثابت کر دیں، تو آپ کی تنخواہ میں سیٹھ رجب علی سے اور اضافہ کرادوں۔ آپ کے حق میں اگر مولانا مراد آبادی صدوق یخطی کا لقب دیں تو اپنی ضمیر سے پوچھ کر بتایئے کہ آپ تلسی پور میں اس کا ترجمہ کیا سنائیں گے۔ کہ اگرچہ عتیق الرحمن سچا ہے مگر تقریر و تحریر میں غلط بیانی بہت کرتا ہے۔ بس سنئے

راوی کے احوال کے لحاظ سے پہلا مرتبہ صحابہ کا ہے۔ دوسرا مرتبہ ان کا ہے جن کو ثقۃ ثقۃ بانکرار کہا جاوے۔ تیسرا مرتبہ ان کا ہے جن کو صرف ثقہ کہا جاوے چوتھا مرتبہ ان کا ہے جن کو صدوق یا لاباس بہ کہا جاوے۔ پانچواں مرتبہ ان کا ہے جن کو صدوق یخطی کہا جاوے (تقریب) اسی طرح لسان المیزان میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ فاذا جرح الرجل بکونہ اخطأ فی حدیث او وھم لا یکون ذلک جرحا مستقلا اولا یرد بہ حدیثہ۔ (لسان جلد اول ص۱۸)

یعنی جب کسی صدوق راوی پر خطا یا وہم کی جرح ہو تو اس سے اس کی حدیث رد نہ ہوگی۔ ناظرین کرام! علامہ صاحب نے اس جگہ ائمہ کے ان اقوال کو ترک کر دیا ہے جو ابو غالب کی توثیق سے متعلق تھے۔ امیر المومنین فی الحدیث یحییٰ بن معین ان کو صالح الحدیث اور امام موسیٰ نے ثقہ کہا ہے (عون ج۴ ص۵۲۸) اور حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے۔ ابو غالب عن ابی امامۃ وثقہ الدار قطنی۔
(لسان ج ششم ص۵۰۹)

## جرح مفسر کا اعتبار

اب یہاں آکر یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ ان کو شعبہ اور امام نسائی نے ضعیف ٹھہرایا ہے تو اس صورت میں کیا فیصلہ ہوگا؟ اس کا حل لسان میں موجود ہے کہ اگر جرح مفسر ہو تو جرح کا اعتبار ہوگا ورنہ نہیں (لسان جلد اول ص۱۶) حافظ ابن الصلاح نے کہا کہ مجرد ضعف کا قول جرح مفسر نہیں ہو سکتا اور

جب تک جرح مفسر نہ ہو ضعف کی وجہ کی صحیح تعیین نہیں ہو سکتی کہ واقعی یہ امر موجب ضعیف ہے یا نہیں؟ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ شعبہ سے پوچھا گیا کہ تم نے فلاں کی حدیث کو کیوں چھوڑ دیا؟ جواب دیا کہ میں نے اس کو ترکی (غیر عربی) گھوڑے پر سوار دیکھا اس وجہ سے اس کی حدیث کو چھوڑ دیا (مقدمہ ص۴۸) دیکھئے جرح کے لئے یہ کوئی وجہ وجیہہ نہیں ہے، چنانچہ شعبہ کی اس تضعیف کا بھی یہی حال ہے۔ ترك شعبة ابا غالب انه رآه يحدث في الشمس (عون المعبود ج ۴ ص۵۲۸) یعنی امام شعبہ نے ابو غالب سے حدیث کی روایت اس لئے چھوڑ دی کہ انھوں نے ابو غالب کو دیکھا کہ وہ سورج کی دھوپ میں بیٹھ کر حدیث پڑھاتے اور بیان کرتے ہیں غالباً یہ حالت وقار حدیث کے خلاف نظر آئی۔ بہر حال امام شعبہ کی یہ تضعیف غیر مفسر اور غیر مبین السبب ہے۔ کیونکہ ترک حدیث کے لئے یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے، پس اب انھیں ائمہ کا قول درست رہا جنہوں نے ان کے ثقہ اور صالح ہونے کی شہادت دی ہے۔ بہر حال اول تو رجال اسناد کے اعتبار سے روایت ساقط الاعتبار نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ضعیف سند سے ضعیف متن ضروری نہیں (ظفر الامانی مؤلفہ مولانا عبد الحئی لکھنوی ص۹۰) اس لئے ان دیگر متون صحیحہ کی وجہ سے جو باب نہی عن القیام میں وارد ہیں، میں نے اس روایت کو اعتباراً و اعتضاداً ذکر کیا تھا، چنانچہ میرے رسالے میں ترمذی شریف کا بھی ایک حوالہ موجود تھا (جوابات حاضر و ناظر ص۲۲) خیر اب ترمذی کی حدیث کو مفصل سنئے عن انس لم يكن شخص احب اليهم من

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذالک ھذا حدیث حسن صحیح غریب (ترمذی ج ۲ کتاب الادب ص۱۰۵) حضرت انس خادم رسولؐ فرماتے ہیں کہ کوئی ہستی اللہ کے رسول سے زیادہ صحابہ کو محبوب نہ تھی لیکن باوجود اس کے حضورؐ کو دیکھ کر صحابہ نہیں کھڑے ہوتے تھے، اس وجہ سے کہ جانتے تھے کہ حضورؐ کو ناگوار خاطر ہے۔ دوسری حدیث ملاحظہ ہو ابوداؤد باب الرجل للرجل یعظمہ بذالک میں روایت ہے کہ حضرت معاویہؓ ایک مجلس میں نکلے جس میں عبداللہ بن زبیر اور ابن عامر تھے تو ابن عامر معاویہ کے تشریف لانے پر کھڑے ہو گئے اور عبداللہ بن زبیر بیٹھے رہ گئے تو حضرت معاویہؓ (خلیفۂ وقت) نے ابن عامر سے بصیغۂ امر کہا۔ اجلس فانی سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من احب ان یتمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوء مقعدہ من النار کہ بیٹھ جاؤ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہو جایا کریں تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (ابوداؤد ج۲ کتاب الادب ص۳۵۷) آپ نے رسالہ کے ص۴۴ پر نقل کیا ہے کہ جس قیام سے رد کیا گیا ہے وہ وہ قیام ہے کہ شخص معظم آکر بیٹھ جائے اور تعظیم کنندگان کھڑے کے کھڑے رہیں، جیسا کہ اہل عجم میں قیام مخصوصہ تھا، مگر ہر ذی عقل کے نزدیک ظاہر ہے کہ یہ مطلب حدیث معاویہ کے سیاق و سباق کے خلاف ہے، کیونکہ حدیث معاویہؓ اس پر دلالت کرتی ہے کہ انھوں نے اس قیام کو جو ان کے

نکلنے کے وقت تعظیماً کیا گیا تھا ناجائز ٹھہرا، جیسا کہ علامہ ابن قیم رح اور شیخ ابوعبداللہ بن الحاج وغیرہ نے اس مطلب کو متعین کیا ہے کہ صحابی رسول حضرت معاویہ جنھوں نے صاحب شرع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو براہ راست حاصل کیا تھا انھوں نے اس کا مطلب یہی سمجھا تھا کہ کسی کے آنے پر قیام کرنا منع ہے، اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے آنے کے ساتھ جس صاحب کو قیام کرتے دیکھا ان کو ٹوکا اور بیٹھا دیا، اور جنھوں نے قیام نہیں کیا اس کو درست قرار دیا (فتح الباری پ۲۵ ص۶۵) بس آپ کی یہ توجیہ و تاویل بھی غلط ہے،

## چند معارضات کے جوابات

آپ نے تین حدیثیں بطور معارضہ پیش کی ہیں، ان کا جواب سنئے آپ نے بحوالہ ابوداؤد لکھا ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہ حضور ؐ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور ؐ کھڑے ہوجاتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے یہاں جاتے تو حضرت فاطمہ بغرض تعظیم کھڑی ہوجاتیں اور حضور ؐ کے ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ علامہ ابن الحاج نے اس روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ باب قیام تعظیمی سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ آپ کا حضرت فاطمہ کے لئے یا حضرت فاطمہ کا آپ کے لئے اٹھ جانا اس لئے واقع ہوا ہو کہ ان کو اپنی جگہ پر بٹھائیں کیونکہ نشست گاہ و تکیہ چھوڑ کر دوسرے کو اس پر بٹھا دینا بڑی عزت اور شرف کی بات ہے، بس جب ہو سکتا

ہے کہ یہ اٹھنا اس لئے ہوا ہے کہ اپنے فرش پر جگہ دی جاوے تو اس کو قیام تعظیمی سے کوئی لگاؤ نہیں رہ گیا۔ کیونکہ یہ قیام اب تو اپنی جگہ کے چھوڑنے اور فرش کو جھاڑ اور صاف کر کے بٹھانے کے لئے ہوا تو گویا یہاں اکرام و تعظیم اپنے فرش کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جانے کے اعتبار سے ہوا۔ پس قیام تو محض ضرورتاً واقع ہوا نہ تکریماً فافہم (فتح الباری پ ۲۵ ص ۶۵۶) پھر آپ نے بحوالہ ترمذی لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہ جب مدینہ میں تشریف لائے تو اس وقت حضورؐ میرے گھر میں تھے، حضرت زید نے جب دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ بمقتضائے محبت برہنگی کی حالت میں چادر لپیٹے ہوئے کھڑے ہو گئے پھر حضورؐ زید سے بغل گیر ہوئے اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

**الجواب:-** مولانا اس حدیث کو قیام متنازع فیہ سے تعلق نہیں ہے یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ اپنے آنے والے متعلقین سے فرحاً وسروراً معانقہ و مصافحہ کرتے بغل گیر ہوتے۔

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں۔ ومن هديه كان يعتنق القادم من سفره ويقبله اذا كان من اهله عن عائشة قدم زيد بن حارثة المدينة ورسول الله صلى الله عليه وسلم في بيتي فاتاه فقرع الباب الخ (زاد المعاد ج ا ص ۲۸۶)

بہرحال یہ قیام تعظیم کا نہیں، بلکہ یہ جلد اٹھ پڑنا اور جلد دروازہ کھول کر مل لینا بغل گیر ہو جانا فرحاً وسروراً واقع ہوا تھا، کسی عزیز مسافر و مہمان کی آمد پر اظہار فرحت و مسرت کے طور پر اٹھ کر مل لینا جائز ہے (فتح پ ۲۵ ص ۵۶)

حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں اس کو اختیار کیا ہے ملاحظہ ہو (فتح پ۲۵ صفحہ ۲۵۷)
حضور صحابہ کے لئے کوئی مسافر و مہمان نہیں تھے تاکہ آپ کے لئے قیام للمسافر
کی روایت سے قیام للحاضر کا استدلال کیا جاوے۔

## مجلس برخاست کرتے وقت کا قیام

آپ نے بحوالہ مشکوٰۃ لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہمارے ساتھ مسجد میں بیٹھ کر باتیں فرماتے، جب آپ تشریف لے جانے کے لئے کھڑے ہو جاتے تو ہم سب بھی کھڑے ہو جاتے اور آپ کے گھر میں داخل ہونے کے وقت تک کھڑے رہتے۔

**الجواب:** یہ حدیث ابوداؤد کی ہے لیکن مبحث متنازع فیہ سے اس کو لگاؤ نہیں کیونکہ آپ نے قیام تعظیم کے متعلق لکھا ہے کہ حاضر وناظر اپنے مقام سے ہیں اور قیام تعظیمی تشریف آوری پر ہے۔ تو چونکہ آپ کا یہ تشریف لے جانا نہ تشریف آوری کہلا سکتا ہے، اور نہ صحابہ کا یہ قیام تشریف آوری کا موقع ہو سکتا ہے، اس لئے وہ قیام جو اپنے اپنے گھروں جانے کے لئے تھا اسے قیام تعظیمی پر استدلال کرنا آپ جیسے خوش فہم علامہ وسلطان المناظرین ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ شارح ابوداؤد صاحب عون المعبود لکھتے ہیں فاذا قام قمنا لانفضاض المجلس لا للتعظیم لانہم ما کانوا یقومون له مقبلا فکیف یقومون له مدبرا (عون المعبود ج۴ صفحہ ۳۹۳) یعنی جب آپ کھڑے ہو جاتے تو ہم مجلس برخاست ہونے کی وجہ سے کھڑے ہو جاتے اور یہ کھڑا ہونا تعظیم کی وجہ سے نہ ہوتا تھا، اس لئے کہ صحابہ کرام تشریف آوری

کے موقع پر برائے تعظیم نہیں کھڑے ہوتے تھے تو تشریف لے جانے کے موقع پر
کیا کھڑے ہوں گے ؟ رہ گیا یہ کہ آپ کے گھر میں داخل ہوجانے تک صحابہ کھڑے
کیوں رہتے؟ جواب اوّلاً تو یہ ہے کہ مسجد نبوی سے گھر کا دروازہ ملا ہوا تھا گھر
میں داخل ہوتے دیر ہی کیا ہوتی تھی، لیکن تاہم صحابہ اس وقت تک کھڑے
رہتے جبتک کہ دروازہ سے جاکر حضورؐ اندر داخل نہ ہوجاتے ایسا چہرۂ انور
کے دیکھنے کے شوق میں غایت محبت اور بکمال اشتیاق دیدار کے باعث
تھا۔ جب آپ اندرون خانہ پہونچ جاتے، اور ان کی نظروں سے من کل
الوجوہ پوشیدہ ہوجاتے تو یہ لوگ اپنی اپنی منزل کی طرف لوٹ جاتے، یہ
جواب تو از باب وجدانیات اور بہ رنگ عاشقانہ ہے جو عاشق رسول کیلئے
قابل قبول ہے، اور صاحب عون المعبود نے ایک اور بھی جواب دیا ہے
ولعلهم كانوا ينتظرون رجاء ان يظهر له حاجة الى احد
منهم او يعرض له رجوع الى الجلوس معهم (عون المعبود
ج۴ صـ۳۹۳) یعنی وہ انتظار کرتے تھے اس امید میں کہ آپ کو کوئی ضرورت ہم لوگوں
میں سے کسی کی پڑجائے اور ہم آپ کے کام آجائیں یا شاید آپ کو کوئی ایسا موقع
پیش آجائے کہ آپ پھر تشریف لے آویں اور ہمیں آپ کے ساتھ بیٹھنے کی
پھر سعادت حاصل ہوجائے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ
ایسا واقعہ آپ کو پیش آگیا کہ ہم آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور آپ
اندر جانے لگے کہ جھٹ ایک اعرابی بدوی نے حضورؐ کو چادروں سے کھینچا جس
کی سختی سے آپ کی گردن مبارک سرخ ہوگئی، پھر اس نے آپ سے کہا کہ

دونوں اونٹ غلّہ سے بھرا دو، پھر آپ نے صحابہ کو دیکھ کر ایک صحابی کو پکار کر فرمایا جاؤ ایک اونٹ کھجور ایک اونٹ جو سے بھر دو، پھر دیگر صحابہ سے فرمایا انصرفوا علی برکتہ اللہ جاؤ خدا کی رحمت تم پر ہو (عون المعبود باب فی الحکم واخلاق النبیؐ ایضاً فتح الباری پ۲۵ باب قوموا السید کم)

ناظرین کرام! علامہ کے تینوں دلائل کے صحیح مطلب کی توضیح میں یہانتک لکھا ہے لیکن ان سب سے قطع نظر اصل سوال تو یہ ہے کہ آخر مولود کے موقع پر قیام کے لئے کیا دلائل ہیں جب حضورؐ حاضر ناظر ہی نہیں جیسا کہ ہم نے ثابت کیا ہے تو ان کی تشریف آوری کیسی؟ اور قیام کیسا؟ پس اس قیام پر میں نے جو تنقید کی تھی وہ اب بھی بحالہ وارد ہے۔

## قیام تعظیمی کے اشتباہ سے ممانعت ⑭۳

میں نے قیام تعظیم کی تردید میں قرآن کریم کی ایک آیت قوموا للہ قانتین کو پیش کی تھی، اللہ کے لئے ادب و تعظیم سے کھڑے رہو۔ اس پر علامہ صاحب نے عقل کا پہاڑ ڈھکیل کر فرمایا ہے کہ اب وہابی سودا بازار میں خریدنے جاویں تو کھڑے نہ ہوں، اور ہل کھیت میں چلانا ہو تو کھڑے نہ ہوں، ورنہ قیام بغیر اللہ ہوگا اور شرک لازم آئے گا۔

ناظرین کرام! میری پیش کردہ آیت کا کتنا پھسپھسا اور بودا جواب ہے۔ کیوں صاحب! کیا سودا کے لئے کوئی ادب و تعظیم سے کھڑا ہوتا ہے یا ہل چلانے دفت کا قیام کسی اکرام و تعظیم کے مد نظر ہوتا ہے؟ جب ایسا

نہیں ہے تو یہ معاملات قیام تعظیم سے خارج ہیں، ہاں اگر ایسا کوئی بدعتی اپنے
ہل یا کھیت یا دھرتی ماتا کو دیکھ کر اس کے پاس پہونچکر قیام تعظیم کی نیت سے
کھڑا ہو جائے تو البتہ شرک ہوگا، آپ شاید اسے شرک نہ سمجھیں لیکن ہندو جاتی
تک میں ایسے موحد پیدا ہو چکے ہیں جو اس قسم کے قیام تعظیم و عبودیت کو ہل
اور کھیت اور بیل اور غلہ وغیرہ کے لئے صریح شرک لکھتے ہیں۔ پنڈت اتما
رام بانی ست دھرم کی کتاب "وید ارتھ پرکاش" دیکھئے۔ علامہ ابن القیمؒ
زاد المعاد میں لکھتے ہیں وصح عنہ النہی عن القیام وھو جالس
کما یعظم الاعاجم بعضھم بعضا حتی من ذالک وامرھم
اذا صلے جالسا ان یصلوا جالسا وھم اصحاء لاعذر لھم
لئلا یقوم علی راسہ وھو جالس مع ان قیامھم للہ
فکیف اذا کان القیام تعظیما وعبودیۃ لغیرہ سبحانہ
(زاد المعاد ج۲ ص۵۵) یعنی حضورؐ نے غیر اللہ کے لئے قیام تعظیم کو اتنا ناپسند
فرمایا کہ صحابہ کو اس حالت میں بھی کھڑے ہونے سے منع کر دیا جبکہ حضور بوجہ
مرض بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور صحابہ بوجہ تندرست ہونے کے کھڑے ہو کر
پڑھ رہے تھے، پس آپ نے اس کھڑے ہونے کو منع کر دیا تاکہ آپ کے
بیٹھے ہونے پر ان کا کھڑا رہنا لازم نہ آئے، حالانکہ فی الواقع یہ قیام تعظیماً و
تعبدًا اللہ ہی کے لئے تھا۔ بس اب وہ قیام تعظیمی جو اللہ سبحانہ کے سوا
کے لئے کیا جاوے وہ کس طرح جائز ہوگا؟ اس کے بعد آپ نے لکھا ہے کہ
میرے پاس قیام میلاد کے ایسے ایسے دلائل موجود ہیں کہ مخالفین سن کر دم بخود

ہو جائیں گے ، اس ٹریننگ کا ترکی بہ ترکی جواب تو صرف یہ ہے کہ میرے پاس ان دلائل مزعومہ کو بیکار کرنے والے جواہر اصلیہ کے ایسے ایٹم بم ہیں کہ آپ کے خیالی قلعے پوری آبادیوں کے ساتھ بیک سکنڈ دھڑام سے گر جائیں گے ۔ ہاں علامہ صاحب اپنی حسرت نکال لیجئے مگر خیال رکھئے گا کہ ؎

آنچہ نہ قال اللہ است نہ قال الرسول　　　فضل بود فضل مخواں اے فضول

## فقہ حنفیہ سے حضور ؐ کے عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہونے کی تردید

(۲۴) حنفی دوستوں کی بیں نے بڑھنی کے خاطر داری میں یہ لکھا تھا کہ آپ علماء دیوبند سے فقہ حنفی کی روشنی میں فتاوے منگالیں تو آپ کو اپنے علماء کرام کے فتویٰ سے تسلی ہو جاوے گی ۔ سوال یہ کیجئے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے حنفیہ اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب تھے یا نہیں ؟ جوابی کارڈ جامعہ عثمانیہ دکن ۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ، دارالعلوم دیوبند ، مظاہر العلوم سہارن پور ، ڈابھیل وغیرہ بھیج کر معلوم فرمالیں ۔

میرے حنفی دوستو ! شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ جو رسول اللہ ؐ کے لئے علم غیب کا اعتقاد رکھے وہ صریحاً کافر ہے ۔ اس پر ہمارے مولانا لکھتے ہیں کہ پہلے کی عبارت ہضم کر گئے جو یہ ہے ثم اعلم ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمھم اللہ تعالیٰ یعنی انبیاء علیہم السلام چیزوں کے غیوب کو نہیں جانتے تھے ، مگر جس قدر کہ اللہ تعالیٰ

نے بتلادیا۔ علامہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ ملا علی قاری انبیاء کو عالم الغیب کہتے ہیں، لیکن یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ ملا علی قاری اگر اس کے قائل ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کے عقیدہ کو کفر کیوں بتلاتے۔ ہمارے مولانا کہتے ہیں کہ ملا علی قاری علم غیب ذاتی کو کفر بتلا رہے ہیں۔ لیکن اس مطلب کے لئے عبارت میں کوئی اشارہ اور ادنی قرینہ بھی موجود نہیں ہے بلکہ لم یعلموا المغیبات من الاشیاء سے صریح مطلب باصول منطق رفع ایجاب کلی ہے، اور الا ما اعلمھم میں ایجاب جزئی ہے، یعنی بعض غیب بالہام اللہ جانتے تھے ظاہر ہے کہ ان دونوں میں اب سرے سے کوئی تناقض نہیں ہے، پس ذاتی وعطائی کا فرق بالکل لغو ہے بہرحال وہ ان النبی یعلم الغیب کی عبارت میں موجبہ کلیہ کے اعتقاد کو کفر بتا رہے ہیں۔

(۲۵) میں نے مالابدمنہ کے حوالہ سے لکھا تھا کہ اگر بدون شہود نکاح کرد وگفت خدا ورسول را گواہ کردم کافر گردد (مالابدمنہ ص ۱۷۶) مولانا لکھتے ہیں کہ یہ ضعیف قول بھی نہیں۔

**الجواب:** یہ مضمون درمختار، بحر الرائق اور شرح فقہ اکبر وغیرہ میں موجود ہے۔ کیا یہ سب کتابیں وہابی ہو گئیں؟ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی علماء حنفیہ میں ایک بلند پایہ ہستی ہیں، ان کی کتاب کو آسانی سے معمولی کہہ کر ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔

(۲۶) علامہ نے بحوالہ رد شامی لکھا ہے۔ وفی الملتقط انہ لایکفر لان الاشیاء تعرض علی روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان الرسول

یعرفون بعض الغیب ومن جملۃ کرامات الاولیاء الاطلاع علی بعض المغیبات یعنی حضور کو گواہ ٹھہرانے سے کافر نہیں ہوگا، کیونکہ حضورؐ کی روح پر بہت سی چیزیں پیش کی جاتی ہیں، بیشک رسولؐ بعض غیب جانتے ہیں اور بعض غیب پر مطلع ہونا اولیاء اللہ کی کرامات میں سے ہے، اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ نکاح کے مذکورہ مسئلہ میں تکفیر نہ کی جائے کیونکہ بعض غیب کا علم انبیاء کے لئے ثابت ہے اس سے بھی میرا ہی دعویٰ ثابت رہا کہ علم غیب کلی کا عقیدہ کفر ہے، اور اس سے آپ کی تردید ہو گئی کیونکہ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کلی کا عقیدہ رکھتے ہیں (خیر الانبیاء صـ۱۱۔ صـ۱۳۔ ۱۴۔ ۴۔ ۳۴) اب رہ گئی یہ بحث کہ بعض غیب جس کو انبیاء جانتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کو عالم الغیب کہا جاوے گا یا نہیں، اس کے جواب میں ہمارے گذشتہ معروضات کو ملحوظ رکھا جاوے تو معاملہ آسان ہو جاوے کیونکہ اول بعض غیب کا علم جو آپ کو بطور معجزہ حاصل ہوا تھا، غیب ہے ہی نہیں، بلکہ آپ کا معجزہ ہے، جیسا کہ ہم نے اس پر جا بجا کئی دلائل و شواہد پیش کئے ہیں دوسری بات انبیاء کو عالم الغیب اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ عالم الغیب بوجہ الف لام استغراق کے موجبہ کلیہ پر دلالت کرتا ہے، اور ہم ابھی اس سے فارغ ہو چکے ہیں کہ آپ کل مغیبات پر نہیں بلکہ بعض مغیبات سے واقف و مطلع ہوتے ہیں پس اطلاق عالم الغیب کا درست نہ ہوگا کیونکہ وہ ایجاب کلی پر دلالت کرتا ہے اس کے بعد آپ نے جو دلفریب عبارت لکھی ہے کہ یہ ایمان کے اچکے فقہ حنفیہ کی آڑ میں قرآن وحدیث کا سبز باغ دکھا کر عوام الناس کی متاع ایمان کو لوٹتے

ہیں اس کو یوں ہی لاجواب چھوڑتا ہوں اور اسی دن کے لئے اس کا بدلہ اٹھا رکھتا ہوں یوم لاینفع مال ولابنون ولاینفعھم شفاعۃ الشافعین صرف اتنا کہنے ہیں کہ فقہ حنفیہ نے عالم الغیب کہنے والے کی تکفیر کی تو کیا وہ بھی ایمان کے اچکے ہیں؟ کیا فقہائے کرام کو آنحضرت صلعم سے نفرت تھی؟ یا وہ بھی نجدی وہابی تھے کہ انہوں نے بقول آپ کے حضور صلعم کو باوجود عالم الغیب ہونے کے عالم الغیب نہ لکھا بلکہ کہنے والے کی تکفیر کی، یا ان کو مسلمانوں سے کوئی بغض تھا کہ خواہ مخواہ ان کی تکفیر پر اتر آئے۔ فانظر ماذا تری۔

**ایک آخری تنبیہ** اس رسالہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کے متعلق جو بحث کی گئی ہے اس کا سارا تعلق صرف اہل بدعت اور رضاخانیوں کے خانہ ساز عقیدہ "علم غیب کلی" یا علم جمیع ماکان ویکون ہی سے ہے، اب اس کو اس پر محمول کرنا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ علمی کی تنقیص کر رہے ہیں بڑی بے ایمانی اور انتہائی جسارت ہے۔ کیونکہ ہم حضور علیہ السلام کی شان پاک اور علم شریف میں ادنیٰ گستاخی کو موجب کفر وارتداد اور اعلیٰ درجہ کی شیطنت سمجھتے ہیں، لیکن امر غیر ثابت کی نفی تنقیص شان نبوت نہیں ہے، ورنہ خدائی کا نہ ثابت کرنا سب سے بڑا جرم ہوگا جیسا کہ معلوم ہو چکا اس لئے ہم علم ماکان ومایکون کی نفی صرف اس سبب سے کرتے ہیں کہ نصوص قرآنی اور احادیث نبوی اسکے خلاف ناطق ہیں، پس اس سے روگردانی کرنا اور بے جا تاویلات رکیکہ کی فتح یاب کرکے آپ کے لئے ماکان ومایکون کا علم ماننا محبت نہیں بلکہ آپ کے لائے ہوئے قرآن وحدیث سے بغاوت اور یہود ونصاریٰ کی طرح اطراء ہے۔

# مطبوعات جامعہ سلفیہ

| کتاب | قیمت |
|---|---|
| رسول اکرم ﷺ کا صحیح طریقۂ نماز | ۲۰۰/- |
| سیرت ابن حزم اندلسی رح | ۶۰/- |
| سر شاخ طوبیٰ (مجموعہ حمد و نعت) | ۷۵/- |
| سکھ مذہب | ۴۵/- |
| ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت | ۱۰۰/- |
| عالم بشریت کے لئے سیرت طیبہ کی اہمیت | ۱۲/- |
| عظمت رفتہ | ۳۵/- |
| غایۃ التحقیق فی تضحیۃ ایام التشریق | ۱۵/- |
| فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رح | ۳۵/- |
| قادیانیت اپنے آئینے میں | ۳۵/- |
| قبروں پر مساجد کی تعمیر اور اسلام | ۵۰/- |
| قرۃ العینین بنصرۃ العیدین | ۱۰/- |
| القول الجمیل فی الکشف عن الدلیل | ۴۵/- |
| قیاس ایک تقابلی مطالعہ | ۱۵/- |